بلوچ تاریخ

مصنّف

عبدالحق بلوچ (ایم۔فل) تاریخ

ناشر

احمد بک سیلرز

R-718، بلاک 20، فیڈرل بی ایریا، کراچی

اشاعت

فروری 2021ء

نام کتاب	:	**"تاریخ بلوچ"**
مصنف	:	عبدالحق بلوچ (ایم۔فل) تاریخ
ناشر	:	احمد بک سیلرز
سن طباعت	:	فروری 2021ء
تعداد	:	1000
ہدیہ	:	

ملنے کا پتہ

احمد بک سیلرز

R-718، بلاک 20، فیڈرل بی ایریا، کراچی

فون:021-36364924

Email: sh.jafri786@gmail.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انتساب

اُن بلوچوں کے نام

جنہوں نے اپنے مذہبی اور ثقافتی ورثے کو

دیانتداری کے ساتھ سینہ بہ سینہ آنے والی

نسلوں تک منتقل کیا

فہرست

پیش لفظ

بچپن میں جب ہمارے بزرگ حضرات یہ بتاتے تھے کہ ہم شام کے علاقے حلب سے ہجرت کر کے بلوچستان میں آباد ہوئے ہیں اور جنگ کربلا میں امام حسین علیہ السلام کا ساتھ دنیا ہماری ہجرتوں کا سبب بنا تو ان باتوں کو میں اپنے بزرگوں کے جذبات اور اعتقادات پر مبنی سمجھتا تھا۔

لیکن جب 2005ء میں تاریخ میں ایم۔اے کرنے کے دوران ذرا گہرائی سے مطالعہ کیا تو اپنے بزرگوں کی ان باتوں کو صحیح پایا۔ پھر اس کے بعد میری دلچسپی تاریخ سے بڑھتی چلی گئی۔ اس لئے میں نے بحیثیت بلوچ، بلوچوں کی تاریخ کو مکمل طور پر جاننے کے لئے اپنی تمام تر توانائیاں وقف کر دیں۔

اس سلسلے میں جب میں نے بلوچوں کی تاریخ سے واقفیت حاصل کرنے کے لئے تاریخ کی وادی میں قدم رکھا تو میں نے دیکھا کہ ہماری تاریخ مصائب و آلام سے پُر ہونے کے ساتھ ساتھ ہمارے بزرگوں کے شعور اور عزم و استقلال کی آئینہ دار ہے، کیونکہ انہوں نے تاریخ کا قلم دشمن کے ہاتھ میں ہونے کے باوجود اپنی تاریخ کو لوک گیتوں، نظموں اور روایات کی شکل میں زندہ رکھا اور گوّیوں کو زبانی یاد کرا کر نسل در نسل اپنی آنے والی نسلوں تک نہایت ایمانداری کے ساتھ پہنچایا۔

یہی وجہ ہے کہ چند صدیوں قبل کچھ انگریز افسران نے اپنی بلوچستان میں تعیناتی کے دوران بلوچوں کی تاریخ کی جمع آوری کا عمل شروع کیا تو انہوں نے بھی بلوچوں کی تاریخ مرتب کرنے کے لئے ان ہی لوک گیتوں اور نظموں کا سہارا لیا۔

بعد ازاں کچھ بلوچ تاریخ دانوں اور دانشوروں نے اس موضوع پر قلم اٹھایا۔ لیکن دیکھا جائے تو یہ کام بھی چند کتابوں اور رسالوں تک محدود رہا کیونکہ اب بھی تقریباً پوری

بلوچ قوم اپنی تاریخی ہجرت اور کربلا سے اپنی وابستگی سے نا آشنا ہے۔

اس لئے بحیثیت بلوچ میں نے اسے اپنا اخلاقی اور قومی فریضہ سمجھا کہ اپنی قوم کو ان کے درخشاں اور تابناک ماضی سے آشنا کراؤں کہ جو شجاعت، حریت، جرأت، بہادری اور اسلام کی راہ میں قربانیوں سے لبریز ہے۔

میں پروردگار عالم کا شکر گزار ہوں کہ جس نے مجھے اپنی قوم کی خدمت گزاری کا موقع دیا۔

مجھے امید ہے کہ بلوچ قوم کے مرد و خواتین اور طلباء و طالبات کے علاوہ تاریخ سے دلچسپی رکھنے والے دیگر افراد بھی اس کتاب سے مستفید ہوں گے۔

میں آخر میں ان تمام احباب اور ہمدردوں کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں کہ جنہوں نے اس کتاب کی تیاری میں میری رہنمائی اور مدد فرمائی۔

عبدالحق بلوچ

اوستہ محمد

۱۰ر نومبر ۲۰۲۰ء

مقدمہ

میں جناب عبدالحق بلوچ کا مشکور ہوں کہ انہوں نے مجھے اپنی کتاب پر مقدمہ لکھنے کا شرف بخشا۔ میں عبدالحق صاحب کو عرصہ دراز سے جانتا ہوں، خاص طور پر جب یہ اپنے ماسٹرز کے دوران بلوچی تاریخ پر کام کر رہے تھے اور انہیں تاریخ کا طالب علم ہونے کی وجہ سے اپنی تاریخ لکھنے میں دلچسپی تھی۔ میرے لیے بھی یہ بڑی دلچسپی کا موضوع رہا ہے۔ خاص طور پر میں جب بچپنے میں بزرگوں سے بلوچی اشعار سنتا تھا کیونکہ ہمارے بچپنے میں اکثر بزرگان کو بلوچی نسب نامہ زبانی یاد تھا اور اکثر یہ نظمیں جس میں حضرت علیؑ، بی بی فاطمہؑ اور حضرات حسنین کریمینؑ کی شان میں مدح وثنا کی گئی ہے۔ بلوچوں کا سینہ بہ سینہ روایات کا ایک بڑا ذخیرہ ہمارے ڈومکیوں کے پاس رہا ہے، جو ڈومکی دپترِ شعر کے نام سے موسوم ہے۔ مجھے ڈر تھا کہ پرانے احباب کی رحلت کے سبب یہ ذخیرہ ضائع نہ ہو جائے لیکن برادرِ عزیز جناب عبدالحق جمالی اور ان جیسے دیگر محققین نے اس ذخیرہ کو تاریخ کے صفحات پر رقم کر کے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے امر کر دیا۔

بلوچوں کی تاریخ، ہجرت اور ادب میں کربلا کے بہت گہرے نقوش پائے جاتے ہیں۔ حضرت علیؑ کی شہادت اور پھر امام حسنؑ کو زہر دیئے جانے کے بعد بنی اُمیہ کے حکمرانوں کو حرام کو حلال اور حلال کو حرام کرنے کی کھلی چھوٹ مل گئی تھی اور طاقت کا ایسا نشہ چڑھا کہ جو مطالبہ یزید کے باپ کو حضرت علیؑ یا حضرت امام حسنؑ سے کرنے کی جرأت نہ ہوئی وہ یزید نے امام حسینؑ سے جبراً پورا کرنا چاہا، بدعات وتحریفات معمول بن چکی تھیں۔ نواسۂ رسولؐ حضرت امام حسینؑ کربلا کے ریگزار میں اپنے اہل وعیال سمیت ذبحِ عظیم کے لیے تشریف لائے۔ امامؑ کا مقصد دین کو واضح اور اسلام کو بنو امیہ کی پیدا کردہ بدعات سے بچانا تھا۔ واقعہ کربلا کے بعد حق وباطل میں تمیز وتفریق آسان ہوگئی۔

کربلا نے جہاں دینِ اسلام کی اصل شکل واضح کی وہیں یہ واقعہ تبلیغِ دین کا بھی ایک مؤثر ذریعہ ثابت ہوا۔ اس واقعہ پُرملال کے بعد ظالم حکومت وقت نے آلِ علیؑ اور محبانِ علی پر حالات تنگ کرنا شروع کر دیئے۔ یوں ہجرتوں کا ایک عظیم سلسلہ عرب سے دنیا کے

دوسرے خطوں کی جانب شروع ہوا۔ جیسا کہ مسلمانوں نے دنیا کے دوسرے خطوں کی جانب راہ لی اسی طرح کچھ مسلمان گروہوں نے بلوچستان وسندھ کی طرف ہجرت کی۔

ان ہجرتوں میں بی بی رقیہ بنت علیؑ، عبداللہ شاہ غازیؒ خاندانِ اہلبیتؑ اور بہت سارے بزرگان شامل ہیں یہ ہجرت ایک جانب بنو امیہ کے مظالم کے پر چار اور دوسری جانب حقیقی تبلیغ دین کا اہم ذریعہ بنی۔

ان میں سے ایک اور ہجرت جو اہمیت کی حامل ہے وہ من حیث القوم بلوچ قوم کی ہجرت ہے۔ بلوچوں کا قدیم مسکن حلب شام ہے یہ قوم حلب اور دجلہ وفرات کے مرغزاروں میں بسا کرتی تھی۔ ان کی شاعری میں اس بات کے مستند ثبوت ملتے ہیں کہ ان کو یزید کی دشمنی کی وجہ سے اپنا وطن چھوڑنا پڑا۔

بلوچ براستہ موصل عراق سے ہوتے ہوئے کوہ البرز کے گردونواح میں جا بسے، کچھ قبائل کردستان جا بسے اور وہاں سے کچھ ترکستان کی طرف کوچ کر گئے۔ کوہ البرز کے اطراف میں ان کی جنگ وہاں کے حکمران سے پیش آئی۔ جس کی وجہ سے ان کے کچھ قبیلے کرمان اور کچھ براستہ مشہد قلات میں جا بسے۔ کرمان میں پھر ان کا تنازع حکومتِ وقت سے ہوا جہاں سے انھوں نے مجبوراً مکران کے میدانی علاقوں میں ہجرت اختیار کی۔ جہاں ان کا ایک مخصوص علاقہ تشکیل پایا اور سیستان وبلوچستان کا علاقہ ان کی مستقل آرام گاہ قرار پایا۔

بلوچستان میں بلوچوں نے اپنی حکومت کو مستحکم کیا اور سندھ، ملتان، ڈیرہ غازی خان، بکھر، لیہ اور ڈیرہ اسماعیل خان تک اپنی سلطنت کو پھیلا دیا۔

آخر میں ایک مرتبہ پھر عبدالحق بلوچ صاحب کا شکریہ ادا کرتے ہوئے یہ کہوں گا کہ میری نظر میں یہ کتاب ہماری نوجوان نسل کے لیے خاص طور پر اپنے اجداد کے حالات اور تاریخ، عادات واطوار کی معلومات حاصل کرنے کے حوالے سے خاصی مفید ثابت ہوگی۔

مقصود علی ڈومکی

کوئٹہ ۲۰ نومبر ۲۰۲۰

بمطابق ۴ ربیع الثانی

تبصرہ

میرے لئے یہ بہت بڑے اعزاز کی بات ہے کہ میں دور حاضر کے مورخ جناب عبدالحق بلوچ کی کتاب ''بلوچ تاریخ'' پر تبصرہ کروں کیونکہ یہ تاریخ کی ایک ایسی کتاب ہے جس میں مورخ نے بلوچ قوم کی 1400 سالہ غیر مطبوع تاریخ کے سمندر کو کوزے میں بند کر دیا ہے۔

جہاں تک میرا تعلق ہے میں ایک جدی پشتی اور نسلی سندھی ہوں میں عرصہ دراز سے صحافت کے شعبہ سے منسلک ہوں میرے دوست احباب ہمدردوں اور محسنوں میں بلوچوں کی ایک بہت بڑی تعداد شامل ہے لیکن مجھے یہ کہنے میں کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہیں ہو رہی ہے کہ میں بلوچوں کی تاریخ سے ناواقف تھا اور صرف میں ہی نہیں بلکہ بلوچوں کی اکثریت اپنے ماضی سے ناواقف ہے اس کی وجہ شاید یہ ہے کہ دیگر قوموں کی طرح بلوچوں کی تاریخ سے متعلق کوئی کتاب دستیاب نہیں ہے۔ لیکن ایک چیز جس کا میں نے مشاہدہ کیا وہ یہ ہے کہ بلوچ قوم کے ہر فرد میں سیدوں کا احترام اور محبت اہلبیتؑ پائی جاتی ہے۔ لیکن ان کے اس عمل کا پس منظر مجھے اس وقت معلوم ہوا کہ جب میں نے جناب عبدالحق کی تصنیف بلوچ تاریخ پر تبصرہ لکھنے کے لئے ان کے مسودہ کا مطالعہ کیا جس میں انہوں نے لکھا کہ ایک روایت کے مطابق بلوچ قوم کا سلسلہ نسب حضرت امیر حمزہ علیہ السلام سے ملتا ہے یہی وجہ ہے کہ بلوچ قوم کے پانچ افراد رسول اکرمؐ کی حفاظت کے لئے ان کے ہمراہ رہا کرتے تھے اور یہ بلوچوں کی محبت اہلبیتؑ کا ہی سبب تھا کہ انہوں نے میدان کربلا میں یزیدیوں کے مقابلے پر امام حسین علیہ السلام کا ساتھ دیا۔ اور پھر بلوچوں کے اس عمل سے بنوامیہ بلوچوں کے خلاف ہو گئے جس کی وجہ سے ان کو سیریا (شام) کے علاقے حلب سے جو کہ ان کا آبائی وطن تھا ہجرت کرنا پڑی جہاں سے وہ سیستان و مکران

سے موجودہ بلوچستان میں آباد ہو گئے۔

لیکن آج بھی اگر کوئی بلوچ قوم کے ان حالات یا ان کے ماضی کے متعلق کچھ جاننا چاہے تو اس کے پاس اس کے علاوہ کوئی اور ذریعہ نہیں ہے کہ وہ ان چند مضامین یا مقالہ جات پر اکتفا کرے کہ جو کبھی کبھار کسی اخبار یا رسالہ میں شائع ہوتے ہیں۔ لیکن ان میں بھی نہ تفصیلات ہوتی ہیں اور نہ ہی ان کی کوئی سند ہوتی ہے۔ اس حوالے سے جناب عبدالحق بلوچ کی یہ کتاب بلوچ قوم کے لئے ایک سرمایہ سے کم نہیں۔ جناب عبدالحق بلوچ کی ایک اور خوبی یہ ہے کہ انہوں نے تمام تر واقعات حوالہ جات کے ساتھ تحریر کئے ہیں جس نے اس کتاب کو ایک مستند تاریخی کتاب کا مقام عطا کیا ہے۔

جناب عبدالحق بلوچ نے پرانے تاریخ دانوں کے علاوہ موجودہ دور کے جن تاریخ دانوں، دانشوروں اور نظم نگاروں کے حوالوں سے واقعات کو درج کیا ہے اس نے اس کتاب کی سند کو مزید دوام بخشا ہے، کیونکہ یہ بلوچ اور غیر بلوچ تاریخ دان، دانشور اور نظم نگار بلوچ تاریخ پر ایک سند کا مقام رکھتے ہیں۔ جن کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں۔

ایم لانگ ورتھ ڈیمز، سلو یا میتھیسن، رائے بہادر لالہ ہتورام، رحیم داد شہوانی، میر نصیر خان احمد زئی، جسٹس میر خدا بخش مری، زیڈ ایچ درانی، پروفیسر عزیز محمد بگٹی، محمود شاہ بخاری، بریگیڈیئر ریٹائرڈ عثمان حسن، نواب گل محمد زیب مگسی، عطا شاد، میر گل خان نصیر، خان آف قلات، میر احمد یار خان، بھاول خان ڈومکی، عبدالکریم برمانی، ملا محمد حسین بنگلزئی، غوث بخش صابر، بشیر احمد بلوچ، صورت خان مری، مٹھا خان مری، زکیہ سردار بلوچ، آغا محمد ناصر۔

اس کتاب میں درج تاریخی حقائق کو پڑھنے کے بعد یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچی ہے کہ بلوچ من حیث القوم مکتب اہلبیتؑ سے وابستہ تھے اس لئے بلوچ قوم میں جوانمردی، شجاعت، بہادری، ایثار، عورتوں کی عزت و احترام، اور وفا جیسی خصوصیات حضرت امیر حمزہ علیہ السلام سے نسبت اور مکتب اہلبیتؑ سے وابستگی کی وجہ سے پائی جاتی ہیں۔

اگر فاضل مصنف اجازت دیں تو میں سندھی ہونے کے ناطے سندھ کے ایک عظیم محسن شہید ہوش محمد شیدی بلوچ کا تذکرہ کروں گا کہ جنہوں نے ''مرسوں سندھ نہ ڈیسوں'' یعنی ''مر جائیں گے لیکن سندھ نہیں دیں گے'' کا نعرہ لگا کر حب الوطنی اور بہادری کا ایسا عظیم کارنامہ انجام دیا کہ ان کے انگریز دشمنوں نے بھی ان کی شجاعت اور دلیری کو خراج تحسین پیش کرنے لئے بعد از شہادت ان کی میت کو گارڈ آف آنر پیش کیا۔ واضح رہے کہ ہوش محمد شیدی کا تعلق بلوچوں کے قنبرانی قبیلے سے تھا۔ جو خود کو حضرت علی علیہ السلام کے غلام قنبرؓ سے نسبت دیتے ہیں۔

جناب عبدالحق بلوچ نے جہاں اس کتاب میں بلوچوں اور باقی دنیا کو بلوچوں کے شاندار ماضی سے آشنا کرایا ہے، وہیں انہوں نے بلوچوں پر لگائے جانے والے ڈاکوؤں اور لٹیروں جیسے الزامات کا جواب دیتے ہوئے تحریر کیا ہے کہ بلوچوں پر یہ الزامات سانحہ کربلا میں بلوچوں کی جانب سے حضرت امام حسین علیہ السلام کی نصرت کی وجہ سے لگائے گئے ہیں۔ کیونکہ اس وقت تاریخ کا قلم بلوچوں کے دشمنوں بنوامیہ کے ہاتھ میں تھا۔

میں اب اختتامی کلمات تحریر کرتے ہوئے اپنے بلوچ بھائیوں، بہنوں اور بزرگوں سے گزارش کروں گا کہ وہ اس کتاب کو بلوچ قوم کا اثاثہ سمجھتے ہوئے ہر بلوچ تک پہنچانا اپنا قومی فرض قرار دیں تاکہ بلوچ قوم اپنے شاندار اور درخشاں ماضی سے آشنا ہو کر اس سے وابستہ ہو سکے۔

شیر محمد کھہاوڑ

ایڈیٹر روزنامہ اپیل کراچی

حرف آخر

تاریخ کے مرتب ہونے کا عمل کائنات کی خلقت کے ساتھ ہی شروع ہو گیا تھا جس کا ثبوت ہمارے پاس قرآن کریم کی شکل میں موجود ہے جس میں کائنات کی ابتدا سے کائنات کے اختتام تک رونما ہونے والے تمام واقعات درج ہیں۔

لیکن جب سے تاریخ کا قلم بد دیانت انسانوں کے ہاتھ میں آیا وہاں سے بد دیانتی کا آغاز ہو گیا۔ جس کی واضح ترین مثال واقعہ کربلا کے بعد بلوچوں کی تاریخ کا مرتب نہ ہونا ہے۔ کیونکہ اس وقت بحیثیت حکمران تاریخ کا قلم بلوچوں کے دشمن بنوامیہ کے ہاتھ میں تھا اور وہ نہیں چاہتے تھے کہ ان کے بلوچوں پر ڈھائے جانے والے وہ مظالم تاریخ میں درج ہوں جن کی وجہ سے ان کو سیریا میں موجود اپنے آبائی وطن حلب سے ہجرت کر کے ایران کے علاقے سیستان و مکران اور پاکستان کے علاقے موجودہ بلوچستان میں پناہ لینا پڑی۔

لیکن یہ بلوچوں کی در محمدؐ آلِ محمدؐ سے وابستگی کا اثر ہے کہ پروردگار عالم نے بلوچوں کو یہ حوصلہ ہمت اور تدبر عطا کیا کہ انہوں نے تمام تر مصائب کے باوجود لوک گیتوں اور کہانیوں کی شکل میں اپنے مذہبی اور ثقافتی ورثے کو اپنی آنے والی نسلوں تک منتقل کیا۔ اور بعد ازاں 400 سال قبل کچھ انگریز اہل کاروں کی بلوچستان کے علاقے سبی میں آمد کے بعد ان انگریز اہل کاروں نے کتابی شکل میں بلوچوں کی تاریخ مرتب کرنے کا عمل شروع کیا۔

''بلوچ تاریخ'' میں فاضل مصنف نے تمام واقعات کو مستند تاریخی حوالہ جات کے ساتھ سلیس زبان میں درج کیا ہے لہٰذا یہ جہاں بلوچ قوم کے لئے ایک عظیم ورثہ ہے وہیں دوسری جانب تاریخ سے دلچسپی رکھنے والوں اور اسکول، کالجز اور یونیورسٹی کے طلبا و طالبات کے لئے بھی ایک عظیم اثاثہ ہے۔

مجھے امید ہے ملک اور بیرون ملک قیام پذیر بلوچ اس کتاب سے بھرپور فائدہ اٹھائیں گے۔

سیّد محمد شاہ (کوئٹہ)

بلوچ تاریخ کا آغاز

جب ہم بلوچوں کی تاریخ پر نظر ڈالتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ بلوچستان میں بلوچوں کی سماجی، ثقافتی یا مذہبی تاریخ پر بطور خاص محققین نے ابھی کام کا آغاز نہیں کیا اور جو کام تحریری شکل میں موجود ہے وہ زیادہ تر ان انگریزوں کی معلومات ہیں جو انیسویں اور بیسویں صدی میں اپنے سیاسی اور فوجی مقاصد کے حصول کے لئے انہوں نے جمع کی تھیں۔ قدیم مورخین کی کتابوں میں اگر بلوچوں کا کہیں ذکر ملتا بھی ہے تو وہ برسبیل تذکرہ ہی ہے، ان میں ابن ہو قل، بلاذری، ابوقاسم ہندوشاہ وغیرہ قابل ذکر ہیں، لیکن ان مورخین نے بھی کہیں بلوچوں کو بدو کہا اور کہیں انہیں قاتل و غارت گر اور لٹیرے کا خطاب دیا۔ بلوچ کون ہیں، بلوچستان میں یہ قوم کب سے آباد ہے، ان کے مذہبی رجحانات اور قبائلی زندگی کے نشیب و فراز کی کیا تاریخ ہے اس پر محققانہ انداز میں کسی نے قلم اٹھانے کی زحمت نہیں کی۔ بلوچوں کی تاریخ پر کام کرنے والوں نے نہ تو ان کی تاریخ کا جدلیاتی مطالعہ کیا اور نہ ہی اس کے پس پردہ سیاسی، مذہبی، نسلی، گروہی یا معاشی عوامل کا تجزیہ کیا۔

صدیوں سے زندگی کو ایک انداز میں بسر کرنے والی قوم کا جدلیاتی تجزیہ بھی نہیں کیا جا سکتا کیوں کہ معاشی حالات کو سدھارنے کی خاطر کوئی قوم بلوچستان جیسے خطہ کا انتخاب نہیں کرسکتی ہے۔

ابن خلدون کے مطابق ایک خاص مدت کے بعد بدویت اور خانہ بدوشی شہری زندگی میں تبدیل ہوجاتی ہے لیکن صدیوں سے بلوچوں کی خانہ بدوشی اور ذریعہ معاش میں تبدیلی نہ ہونے کی وجوہات کیا ہیں، اگر ہم تغیر کو ایک اصول مان لیں تو ان وجوہات کو تلاش کرنا پڑے گا جن کی وجہ سے بلوچوں میں تبدیلی نہ آسکی۔ اور ابن خلدون کے مطابق اس کا

جواب اس قوم کے عقائد کو معلوم کرنے سے ہی ملے گا۔

بلوچستان میں بلوچوں کی تاریخ رقم کرنے سے پیشتر کئی ایک اہم سوالات کا جواب لازم ہوجاتا ہے بلوچستان سے کیا مراد ہے، بلوچ کون ہیں اور کیا یہ صرف بلوچستان میں آباد ایک وطنی قومیت کا نام ہے یا یہ ایک نسل ہے جو دنیا کے مختلف علاقوں میں مختلف زبانوں اور عقیدوں کے تحت زندگی بسر کررہی ہے، بلوچستان کی قدیم تہذیبوں سے بلوچوں کے تعلق کی کیا نوعیت ہے، جس میں بطور خاص مہرگڑھ، نال اور وادی کوئٹہ کی تہذیب شامل ہے، شیعیت کیا ہے، اس کی تاریخ کیا ہے اس کے بنیادی عقائد کیا ہیں، عزاداری کیا ہے اور اس کی کیا تاریخ ہے اور بلوچ سماج میں شیعیت کے اثرات کس قدر ہیں۔

اس طرح غیر از بلوچستان آج جن دیگر ممالک میں بلوچ رہ رہے ہیں ان کی ثقافتی، سماجی اور مذہبی زندگی بلوچستان کے بلوچوں سے کس قدر مماثل ہے۔

پاکستان میں بلوچستان کے علاوہ یوں تو آج دنیا بھر میں بلوچوں کی ایک بڑی تعداد عراق، ایران، وسط ایشیائی ریاستوں، روس حتی کہ افریقہ میں بھی آباد ہے اور ان کی مجموعی آبادی کا اندازہ تقریباً پچاس ملین ہے لیکن ایک مخصوص ریاستی، وطنی اور سماجی حیثیت انہیں صرف بلوچستان میں حاصل ہے، جہاں بلوچی زبان کو سرکاری اور قومی زبان کا درجہ حاصل ہے، جہاں بلوچی زبان میں اخبارات اور رسائل کا اجرا ہوتا ہے، ریڈیو اور ٹیلی ویژن سے بلوچی اور براہوئی زبان میں پروگرام نشر کئے جاتے ہیں، جہاں بلوچوں کو جغرافیائی اور سیاسی حیثیت حاصل ہے اور آج دنیا بھر میں بلوچوں کی پہچان بلوچستان ہے۔

بلوچ کب سے بلوچستان میں آباد ہیں، اور موجودہ بلوچستان کی حدود میں آج سے سات ہزار سال پہلے مہرگڑھ، نال اور وادی کوئٹہ میں جو متمدن قومیں رہا کرتی تھیں اور ماہرین آثار قدیمہ نے جو نوادرات برآمد کئے ہیں، ان سے آج کے بلوچوں کا کیا رشتہ ہے، ان سوالات پر ابھی تحقیق کے دروازے نہیں کھلے ہیں، ان حوالے سے جو سائنسی تحقیق اور قیاس

آرائیاں ہوں گی اس سے قطع نظر موجودہ تاریخی مواد اور روایات اس بات کی تصدیق کرتی ہیں کہ بلوچ حلب سے ہجرت کر کے اس سرزمین پر آباد ہوئے اور قبائلی نظام کے تحت ایک خودمختار ریاست بنانے میں کامیاب ہوئے، ان تاریخی اور لوک روایات کو قبول کرنے کے بعد بلوچوں کے قدیم مذہب کے بارے میں قیاس آرائیاں خود بخود دم توڑ دیتی ہیں۔

بلوچوں کی روایات اور موجود تاریخ کے مطابق بلوچ پہلی صدی ہجری میں واقعہ کربلا کے بعد شام کے علاقوں میں آباد ہو گئے اور بعد میں وہاں سے مختلف ادوار میں ہجرت کر کے کرمان سیستان اور یہاں موجودہ علاقوں میں آ کر آباد ہو گئے۔ دجلہ و فرات، حلب اور سیستان سے ہجرت سے پہلے بلوچستان میں آباد بلوچوں کے بارے میں بھی بہت سے نظریات ہیں اور بعض محققین کے مطابق بلوچ وسطی ایشیائی ریاستوں سے آ کر اس خطے میں آباد ہوئے، ان کی زبان کیا تھی، عقیدہ کیا تھا یہ سوال ابھی حل طلب ہیں، البتہ بلوچستان، سندھ اور پنجاب میں آباد ہونے کے بعد بلوچوں کی مذہبی اور ثقافتی زندگی سے متعلق جو روایتیں اور تاریخی شواہد موجود ہیں ان کی بنیاد پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ بعد از اسلام بلوچ مسلمان ہوئے اور رسولؐ اکرم کے وصال کے بعد مسئلہ خلافت پر بلوچ من حیث القوم حضرت علیؑ کے طرف داروں میں تھے اور واقعہ کربلا کے بعد امام حسینؑ کی حمایت کی سزا کے طور پر انہیں مسلسل ہجرتیں کرنا پڑیں۔ یہ مسلسل جنگیں انھیں اپنی فکر سے نہ ہٹا سکیں۔

حلب میں بلوچوں کی تاریخ ہو یا ان پر بعد میں بنو امیہ اور دوسروں کے روا رکھے جانے والے مظالم بنیادی طور پر ان کے شیعی عقائد کی وجہ سے انہیں لائق گردن دنی و دشنام قرار دیا جاتا رہا، کسی نے انہیں دہشت گرد اور ڈاکو کہہ کر لشکر کشی کی اور کوئی انہیں قاتل اور وحشی کے طور پر مشہور کر کے ان کے قتل کے فتوے حاصل کرتا رہا، اور جہاں وہ یہ نہ کر سکے وہاں بلوچوں کو چور اچکا کہہ کر انہیں مطعون کیا گیا۔ بلوچوں کے خلاف صدیوں سے جاری

ان الزامات کا اثر یہ ہے کہ آج بہت سے بلوچ مورخ اور محقق بھی بے خیالی میں یہ کہتے ہوئے نہیں ہچکچاتے کہ بلوچ لوٹ مار کر کے زندگی بسر کرتے تھے، حالانکہ یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہے کہ دجلہ و فرات کے مرغزاروں سے ان کی ہجرت کی وجہ قتل و غارت گری، لوٹ مار یا چوری نہیں تھی بلکہ اس قوم کو اس بات کی سزا ملی کہ وہ سیاسی طور پر کیوں اہل بیت کی طرف داری کرتے ہیں اور خود کو علی علیہ السلام سے وابستہ کرتے ہیں۔ بلوچوں کی ہجرت کو ان کے سینہ بہ سینہ ملنے والی روایات کے حوالے سے دیکھا جائے تو بلوچوں کی صحیح تاریخ اس وقت تک مرتب ہی نہیں ہو سکتی ہے جب تک ان کے مذہبی عقائد کا سراغ نہ لگایا جائے، جن کی وجہ سے انہیں مسلسل ہجرتوں کا سامنا کرنا پڑا اور ایک خاص طرز زندگی اختیار کرنے پر مجبور ہوئے۔

آزادی، حق گوئی، باطل کے خلاف جنگ، قبائلی نظام معاشرت، سیدوں کا احترام، سردار کی اطاعت، عہد کی پاسداری، پناہ لینے والے کی حفاظت، قانون قصاص، عورتوں کا احترام، سیاہ کاری کی سزا موت، سفید ریشوں کا احترام، قرآن مجید، سادات اور عورتوں کی مداخلت پر جنگ بندی، بلوچ سماج کی بنیادی خصوصیات ہیں۔

بلوچوں کے قبائلی نظام کا سرسری جائزہ لینے سے پتہ چل جاتا ہے کہ بنیادی طور پر سرداری اور رہبری و رہنمائی کو بلوچ قوم یک نسبی مسئلہ سمجھتی ہے، اور ان کا یہ کہنا کہ ہم علیؑ کے مرید ہیں ان کے اس عقیدے کی تائید کرتا ہے۔

تاریخی دستاویزات اور تاریخی شہادتوں کے حوالے سے میر نصیر خان نوری کے فرمان ہوں یا قاضی نور محمد گنجابوی کا منظوم نسب نامہ، مولانا محمد صدیق مستونگی کی اصلاحات کا ذکر ہو یا میر چاکر خان رند کے بیٹے میر شاہداد خان کا تذکرہ، رند تالپوروں کی سرگزشت ہو یا ڈیمز کی جمع کردہ رزمیہ نظمیں، ملا محمد حسن بنگلزئی کے اردو اشعار ہوں یا بلوچی اور براہوی شاعروں کا کلام، بلوچوں میں شیعیت کے گہرے اثرات ہمیں ہر جگہ انتہائی واضح انداز میں ملتے ہیں۔

اسی طرح بلوچ سماج میں عزاداری امام حسین علیہ السلام کے بارے میں جو تاریخی اور ثقافتی شواہد ملتے ہیں، انہیں بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا، مثال کے طور پر بلوچوں میں لمبے بال رکھنے کی روایت اور اس کا وہ پس منظر جو وہ خود بیان کرتے ہیں، کسی بھی اچانک پیش آنے والے حادثے یا واقعہ پر سینہ پیٹتے ہوئے ابوئے یا حسین کہنا، روز عاشور نذر نیاز دینا اور سینہ زنی کرنا، علم بنانا اور اس کی زیارت کرنا اور منت ماننا، یہ تمام باتیں بلوچوں میں اہلبیتؑ سے محبت کے گہرے اثرات کی دلیل کے طور پر پیش کی جاسکتی ہیں، اسی طرح بلوچ روایت اور تاریخ کے مطابق بلوچ جن علاقوں سے ہجرت کرکے اس سر زمین پر آباد ہوئے، ان علاقوں میں آج تک بلوچوں کی موجودگی اور عزاداری کو قائم رکھنے کی شہادتیں بھی اس بات کی دلیل ہیں کہ ان کا تعلق مسلمانوں کے اسی گروہ سے رہا جو علی علیہ السلام کو امام برحق مانتے تھے اور واقعہ کربلا کے بعد امام حسینؑ کی شہادت پر غم و افسوس کا اظہار کرنے کو اپنی زندگی کا حصہ سمجھتے تھے۔

بلوچستان میں بے شک بلوچوں کے علاوہ قندہاری، فارسی بان، ہزارے، ہندوستان سے ملازمتوں اور کاروبار کے سلسلے میں آنے والے مہاجر اور پنجابیوں کے ساتھ ساتھ گلگتی، تبتی، لداخی، بلتستانی اور پاراچنار کے طوری اور بنگش قبائل کے لاکھوں افراد بھی گزشتہ صدی سے کوئٹہ، لورالائی، ژوب، خضدار اور سبی میں آ آ کر آباد ہوئے ہیں، لیکن یہ پورا علاقہ بلوچستان کے نام سے ہی موسوم ہے اس لئے ہم نے اپنا موضوع صرف بلوچ قوم کی تاریخ تک ہی محدود رکھا ہے۔

بلوچ کا تعارف

بلوچ قوم کے تعارف کی ابتدا مشہور و معروف اور منفرد یورپی ماہر بلوچیات ایم لانگ ورتھ ڈیمز (M. Longworth Demes) کی تحریر کردہ کتاب (Popular

Poetry of the Baluchies) میں تحریر کردہ ان نظموں میں سے ایک نظم سے کررہا ہوں جو انہوں نے 1870 سے 1880 کے درمیان جمع کی تھیں جب وہ انڈین سول سروس میں خدمات انجام دے رہے تھے۔ انہوں نے عام طور پر یہ نظمیں بلوچستان کے علاقے سبی میں تعیناتی کے دوران مری اور بگٹی قبائل اور ڈیرہ غازی خان کے مزاری اور دوسرے قبائل کے شاعروں اور گوّیوں سے جمع کی تھیں۔ جنہیں طویل ترین نظمیں زبانی یاد ہوتی تھیں انہوں نے یہ نظمیں رائل ایشیاٹک سوسائٹی لندن کے توسط سے 1907 میں شائع کیں۔ اس کے بعد جسٹس میر خدا بخش بجارانی مری نے ان نظموں کا رومن رسم الخط سے ترجمہ کرکے فارسی زبان میں شائع کیا۔ جسٹس مری کی اس کتاب کا پہلا ترجمہ ذکا اللہ خان نے کیا جبکہ پروفیسر کرار حسین نے اس کتاب کے لئے لکھے گئے تعارف اور مقدمہ کا ترجمہ تحریر کیا۔

یہاں پر ہم ابتدائیے کے طور پر اس طویل نظم کے ابتدائی حصہ کا ترجمہ پیش کریں گے۔ اور آگے چل کر اس نظم کا مکمل ترجمہ تحریر کیا جائے گا۔

بلوچی حسب ونسب کی نظم

بلوچی نسب نامہ کا ترجمہ:

اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں اور اس کی حمد و ثنا کرتا ہوں۔
وہی اس جہاں کا مالک ہے یہ دنیا خاک اور مٹی ہوجائے گی صرف اللہ کا نام باقی رہے گا۔
ہم حضرت علی علیہ السلام کے پیروکار ہیں ہمارا دین اور ایمان محفوظ اور مضبوط ہے۔
ہم بلوچ پاک نبیؐ کی امت ہیں جو کُل جہاں کے داعی ہیں۔
ہم بلوچ حضرت امیر حمزہ علیہ السلام کی اولاد ہیں۔
اور فتح ہماری قسمت بن چکی ہے ہم حلب (شام) کے علاقے سے آئے ہیں۔ اور

یزیدیوں سے ہماری لڑائی رہی ہے۔

بلوچ قوم کے اس ابتدائی تعارف کے بعد اب ہم بلوچوں کی تاریخ کا تفصیلی جائزہ لیتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ بلوچوں کی وہ تاریخ کہ جس میں اس قوم کی ثقافت اور مذہب کے بارے میں تفصیل مل سکے، علما اور محققین نے کوئی خاص کام نہیں کیا، حد تو یہ ہے کہ بلوچ قوم جو موجودہ بلوچستان میں آباد ہے ان کی مذہبی اور معاشرتی زندگی کے بارے میں بھی موجودہ دور کے تاریخ دانوں نے قلم نہیں اٹھایا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قدیم زمانے میں تاریخ کا قلم صدیوں تک بنوامیہ کے ہاتھ میں رہا جس کی وجہ سے انہوں نے اپنی مخالف بلوچ قوم کو لٹیرے، ڈاکو، وحشی اور قاتل کے طور پر متعارف کرا کر ان کے قتل کے اسباب تو تلاش کئے لیکن بلوچ قوم کی اصول پسندی، شجاعت، مظلوم کی حمایت میں ظالم کے خلاف ڈٹ جانے۔ عورتوں کی عزت اپنی پناہ میں آ جانے والے کے لیے سب کچھ لُٹا دینا اور بلند کرداری کا تذکرہ نہیں کیا۔ کیونکہ یہی وہ اوصاف تھے جن کا حامل ہونے کی بنا پر بلوچ قوم بنوامیہ اور ہر ظالم و جابر کی مخالف تھی۔

آیئے اس حوالے سے سب سے پہلے یہ دیکھتے ہیں کہ بلوچ کون ہیں؟ کیا یہ ایک وطنی قومیت کا نام ہے کہ جو بھی بلوچستان میں آباد ہو جائے وہ بلوچی کہلائے گا یا پھر یہ ایک نسل ہے جو دنیا کے مختلف علاقوں میں آباد ہے۔ اس سلسلے میں ہم دیکھتے ہیں کہ پاکستان کے صوبہ بلوچستان کے علاوہ بھی بلوچ قوم کی ایک بڑی تعداد ایران، عراق، وسطی ایشیائی ریاستوں کے علاوہ روس اور افریقہ میں بھی آباد ہے۔ اس طرح پوری دنیا میں بلوچوں کی مجموعی تعداد کا اندازہ 50 ملین لگایا گیا ہے۔ لیکن بلوچ قوم کو ایک مخصوص وطنی اور سماجی حیثیت صرف بلوچستان میں ہی حاصل ہے۔ یہاں بلوچی زبان دوسری سرکاری زبان کا درجہ رکھتی ہے۔ یہاں بلوچی زبان میں رسائل اور اخبارات شائع ہوتے ہیں، اس کے علاوہ ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر بلوچی اور براہوی زبان میں پروگرام

بھی نشر ہوتے ہیں اس طرح بلوچوں کی جغرافیائی اور سیاسی حیثیت کی پہچان پاکستانی بلوچستان ہی ہے۔

اس طرح جب ہم بلوچوں کی تاریخ مرتب کرتے ہیں تو اس سلسلے میں ہمارے پاس اس کے علاوہ کوئی اور ذریعہ نہیں ہے کہ ہم بھی دوسرے محققین کی طرح ان نظموں اور لوک گیتوں کا سہارا لیں کہ جن کو بنیاد بنا کر تمام تاریخ دانوں اور محققین نے بلوچ قوم کی تاریخ مرتب کی ہے۔

ان تمام حوالہ جات سے معلوم ہوتا ہے کہ بلوچ پہلی صدی ہجری میں واقعہ کربلا کے وقت شام کے علاقے حلب میں موجود تھے۔ اور واقعہ کربلا کے بعد بنوامیہ کے ظلم اور سختیوں کی وجہ سے سیستان سے ہوتے ہوئے موجودہ بلوچستان میں آ کر آباد ہوئے۔

اس طرح بلوچ قوم کے بلوچستان، سندھ اور پنجاب کے کچھ علاقوں میں آباد ہونے کے بعد مذہبی حوالے سے جو روایات اور ثبوت ملتے ہیں ان سے معلوم ہوتا کہ بلوچ خاندان رسالت میں حضرت امیر حمزہ علیہ السلام سے وابستہ ہونے کے سبب طلوع اسلام کے ساتھ ہی مسلمان تھے۔ اور اسی طرح خاندان رسالت سے وابستہ ہونے کے سبب رسول اکرمؐ کی رحلت کے بعد حضرت علی علیہ السلام کی ولایت کو قبول کرتے ہوئے مسئلہ خلافت پر حضرت علی علیہ اسلام کے طرف داروں میں رہے اور اسی لئے واقعہ کربلا میں حضرت امام حسین علیہ السلام کا ساتھ دینے کی بنا پر بنوامیہ کے مظالم کا شکار ہوئے اور خانہ بدوشی کی زندگی گزارنے پر مجبور ہوئے۔ لیکن بنوامیہ کے مظالم کے باوجود بلوچ قوم اپنے عقائد اور نظریات پر قائم رہی۔

یہ تاریخ کا کتنا بڑا ظلم ہے کہ دجلہ اور فرات کے مرغزاروں میں رہائش پذیر بلوچ قوم جب محبت اہلبیتؑ میں ہجرت پر مجبور ہوئی تو ان پر بنوامیہ کے حکمرانوں کی جانب سے لیٹروں، ڈاکوؤں اور قاتلوں کے بے جا الزامات لگائے گئے کہ آج کے کچھ محققین بھی

بے خیالی میں یہ کہہ اٹھتے ہیں کہ بلوچ لوٹ مار کر کے زندگی بسر کرتے تھے۔لیکن افسوس اگر کہیں ایسے واقعات ہوئے بھی ہوں تو درباری تاریخ دان یہ نہیں بتاتے کہ اپنے علاقوں اور گھروں میں آباد اس قوم کو کس نے اس بدحالی تک پہنچایا کہ اس کے پاس اپنی حیات کو باقی رکھنے کے لئے لوٹ مار کے علاوہ کوئی اور راستہ نہ بچا۔

اس لئے بلوچوں کی صحیح تاریخ کو جاننے کے لئے ان کے عقائد کا جاننا بہت ضروری ہے کیونکہ یہ ان کے عقائد ہی ہیں جو اس بات کا سبب بنے کہ ایک آباد قوم خانہ بدوش قوم کہلانے لگی اس سلسلے میں طویل نظمیں اور لوک گیت ان کی وہ تاریخ ہے کہ جو ہر دور کے بلوچ گوّیوں اور نظم سراؤں کو زبانی یاد ہیں اور اس طرح سینہ بہ سینہ بلوچوں کی تاریخ محفوظ رہی۔

اب یہ الگ بات ہے کہ ایک قوم کا شاندار ماضی کہ جس کی بنیاد کسی کی غلامی نہ قبول کرنا، حق گوئی، باطل کے خلاف جنگ، ظالم کے مقابلے پر مظلوم کی حمایت، سرداروں کی اطاعت، عہد کی پاسداری، پناہ لینے والے کی حفاظت، قانون قصاص، عورتوں کی حفاظت، رشتوں کا احترام، قرآن مجید، رسالت اور سادات کا احترام ہو تو یہ وہ عوامل ہیں جو کل بھی قابل گردن زنی سمجھے جاتے تھے اور آج بھی قابل گردن زنی سمجھے جاتے ہیں۔

اس ہی طرح بلوچی سماج میں عزاداری امام حسینؑ کے بارے میں جو تاریخی اور سماجی شواہد ملتے ہیں انہیں بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا مثال کے طور پر بلوچوں میں لمبے بال رکھنے کا رواج اور اس کا پس منظر نصیر خان نوری کے وزیر قاضی نور محمد گنجابوی تحفۂ نصیر میں لکھتے ہیں کہ۔ واقعہ کربلا کے بعد بلوچوں نے یہ عہد کیا تھا کہ جب تک ہم امام حسینؑ کے خون کا بدلہ نہیں لے لیتے۔اس وقت تک بال نہیں کاٹیں گے۔اس وقت سے بلوچوں میں لمبے بال رکھنے کی رسم چلی آ رہی ہے۔ یا عاشور کے موقع پر ان کے آباؤ اجداد کی سینہ زنی اور ماتم داری کرتے ہوئے یا حسینؑ کی صدائیں بلند کرنا۔ نذر و نیاز کا اہتمام کرنا اور علم مبارک برآمد کر کے اس کی زیارت کرنا، یہ تمام باتیں بلوچ قوم میں شیعیت کے

گہرے اثرات کی نشاندہی کرتی ہیں۔

اس سلسلے میں میں یہاں بلوچ قوم کے مستونگ سے تعلق رکھنے والی ایک سرکردہ سماجی اور قبائلی شخصیت میر نادر عزیز کرد جن کے بارے میں اگلے صفحات میں کچھ تفصیلاً بیان کروں گا اپنی سوانح حیات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ان کے بچپنے کا واقعہ انہیں اچھی طرح یاد ہے کہ ایام عاشورہ میں تمام بلوچ علاقوں میں عزاداری منعقد ہوتی تھی۔

نسب نامہ

بلوچوں کے نسب نامہ میں یہ بات فخر کے ساتھ موجود ہے کہ وہ علی علیہ السلام کے مرید ہیں اور علی علیہ السلام کو ولی اور مولا مانتے ہیں اور پھر نسب نامہ میں تفصیل کے ساتھ بلوچوں کا امام حسین علیہ السلام کا ساتھ دینا اور پھر بنوامیہ کے ظلم کی وجہ سے حلب سے ہجرت کے واقعات اور حلب اور جزائرعرب میں عزاداری سیدالشہداء علیہ السلام برپا کرنے کے واقعات درج ہیں۔

آغا میر نصیر خان احمدزئی اپنی تاریخ میں اور خان آف قلات جناب میر احمد یار خان نے اپنی کتاب ''بلوچ قوم اور خوانین بلوچ'' میں بلوچوں کی ہجرت کے حوالے سے نقشہ بنایا ہے[1] اسے دیکھنے کے بعد تو یہ بات بالکل واضح ہوجاتی ہے کہ بلوچ قوم ہی عزاداری برپا کرنے والی اولین قوم ہے جنہیں اس کی پاداش میں ہجرتیں کرنا پڑیں اور اپنا اصل وطن چھوڑنا پڑا۔

بلوچ قوم کی یہ ہجرتیں اگر معاشی اور اقتصادی حالات کی خرابی کی وجہ سے ہوتیں تو کارل مارکس کے تاریخی جدلیاتی اصولوں کے مطابق ان کی یہ خانہ بدوش زندگی صدیوں تک یکساں نہ رہتی اس لئے بلوچوں سے مذہبی اور نسلی عصبیت ان ہجرتوں کا سبب بنی اور موجودہ بلوچستان میں ان کا پڑاؤ اس وجہ سے ہوا کہ یہ خطہ بنی امیہ کے فوجیوں کی دسترس سے نسبتاً محفوظ تھا۔

---

(۱)......نقشہ صفحہ نمبر 37

بلوچوں کی تاریخ کی ابتدا:

جیسا کہ گزشتہ صفحات میں تحریر کیا گیا ہے کہ بلوچوں کی تاریخ پر کوئی مربوط کام نہیں ہوا ہے اس لئے عبدالحئیٰ بلوچ اپنے پی ایچ ڈی کے مقالے میں لکھتے ہیں کہ اب دور جدید میں تھوڑا بہت بلوچوں کی تاریخ کی تدوین کی جانب توجہ دی گئی ہے لیکن اب کیونکہ اس سلسلے میں تاریخ کے ماخذ اور سرچشموں کا فقدان ہے اس لئے ہمیں نظموں اور لوک کہانیوں کا ہی سہارا لینا پڑ رہا ہے کیونکہ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اگر کہیں تاریخی شواہد موجود نہ ہوں تو لوک کہانیاں گیت اور سینہ بہ سینہ منتقل ہونے والی روایتوں کا بھی سہارا لینا پڑتا ہے اس لئے ہمیں بھی بلوچوں کا ماضی جاننے کے لئے بلوچ بلاڈز یا منظومات سے ہی استفادہ کرنا پڑے گا یہاں ایک اور بات کی وضاحت کرنا ضروری ہے کہ بلوچی زبان ایک عرصہ دراز تک رسم الخط سے محروم رہی ہے اس لئے انگریزوں کے برصغیر میں آنے کے بعد بلوچی زبان کا رسم الخط بھی اردو رسم الخط بنا۔ اس سلسلے میں دانشوروں اور برٹش آرمی اور انتظامیہ کے کچھ لوگوں نے بلوچ تاریخ کے رسم ورواج اور حقائق وغیرہ کو سمجھنے کی کوشش کی۔ واقعات کو ریکارڈ کیا۔ اپنی انتظامی سہولت اور سیاسی ضرورت کے لئے گزیٹر تیار کئے۔

بلوچوں کی تاریخ میں ہر چند کہ نظموں سے بہت زیادہ استفادہ کیا گیا لیکن لیچ اور ڈیمز کے بعد جب ان رزمیہ اشعار پر محققین نے تحقیق کی تو انہوں نے بلوچوں کے مذہب اور اعتقادات پر لکھنے سے احتراز کیا اور بہت سی رزمیہ نظموں میں جن کی ابتدا حمد، نعت اور حضرت علیؑ کی منقبت سے ہوتی ہے ان اشعار کا تذکرہ کئے بغیر ان اشعار کے بعد والے واقعات پر گفتگو کی۔ اس کا سبب وہ تعصب ہے جو مسلمان کہلانے کے باوجود اہلبیت علیہ السلام سے روا رکھا جاتا رہا ہے کیونکہ تمام تر منقبتوں میں حضرت علی علیہ السلام کے فضائل

اور کئی مقامات پر چہاردہ معصومین علیہ السلام سے اظہار عقیدت کیا گیا ہے اگر حقیقت کی نظر سے دیکھا جائے تو تاریخ کے ساتھ یہ بہت بڑی بددیانتی ہے۔ کیونکہ تاریخ لکھتے وقت اگر کسی ایک پہلو کو بھی نظرانداز کردیا جائے تو وہ حقائق تک پہنچنے میں اثرانداز ہوتا ہے۔

بلوچی نظموں کا ماخذ

اس سلسلے میں میر رحیم داد شاہوانی اپنی کتاب ''تاریخ قلات'' میں بلوچی اشعار کے متعلق لکھتے ہیں کہ یہ اشعار پہلی مرتبہ کتابی شکل میں میجر مائکر اور ایم لانگ ورتھ ڈیمز نے شائع کرائے اس لئے ان اشعار کے محفوظ رہنے کا سہرا ان کے سر جاتا ہے۔

انگریزی رسالوں میں جنرل ایشیاٹک سوسائٹی بنگال، رائل ایشیاٹک سوسائٹی لندن، یونائیٹڈ سروس انسٹی ٹیوٹ آف انڈیا جنرل وہ تاریخی شہرہ آفاق تاریخی اور ادبی رسالے ہیں جنہوں نے بلوچی زبان وادب کی تشہیر کے لئے بلوچ قوم کی خدمت کی ہے اس سلسلے میں سب سے زیادہ تعریف کے مستحق رائل ایشیاٹک سوسائٹی لندن ہے جس نے 1907 میں شعرائے بلوچستان مع تاریخی پس منظر نامی کتاب شائع کی۔

بلوچی قبائل

یوں تو بلوچوں کے لاتعداد قبیلے ہیں لیکن بگٹی، مری، مینگل، رند، جمالی بڑے اور مشہور قبیلے ہیں۔ جہاں تک بگٹی اور مری قبائل کا تعلق ہے تاریخی شواہد کے مطابق یہ رند بلوچ ہیں۔ رند قبیلہ کے لئے کہا جاتا ہے کہ یہ قبیلہ رسول اکرمؐ کی پیدائش سے پہلے سے شام کے علاقے حلب کی پہاڑیوں کے گردونواح میں موجود تھا لیکن جب ساتویں صدی عیسوی میں بنوامیہ کے بادشاہ یزید نے امام حسین علیہ اسلام سے جنگ کی اور ان کو شہید کیا تو بلوچ جو کہ آپؑ کے طرفداروں میں تھے ان کو کرمان کی جانب ہجرت کرنا پڑی جسے اب تک وہ گاتے ہوئے بتاتے ہیں۔

ترجمہ:۔ہم حضرت علی علیہ السلام کے مرید ہیں جو دین کے سچے امامؑ تھے ہم حلب سے آئے یزید سے جنگ کی اس سلسلے میں میر گل خان نصیر اپنی کتاب ''بلوچستان کی کہانی شاعروں کی زبانی'' میں ادیبوں کی نسلی تاریخ اور روایات کے بارے میں بلوچ شعرا کی رائے کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس حقیقت کو غالباً سب مورخ تسلیم کرتے ہیں کہ بلوچ من حیث القوم تین بڑے قبیلوں میں تقسیم ہیں اول براہوی، دوم ناروئی اور سوئم رند ان میں سے ۲ قبیلوں براہوی اور رند سے متعلق بلوچ شعرا کا خیال ہے کہ وہ یکے بعد دیگرے اس سرزمین پر آئے اور آباد ہوئے جب کہ ناروئی یہاں پہلے سے آباد تھے ایشیا کی قدیم تاریخ میں سطح مرتفع ایران میں جن بلوچوں کا ذکر ملتا ہے وہ یہی ناروئی بلوچ ہیں۔ دنیا کا نامور پہلوان رستم بن زال اسی قوم سے تعلق رکھتا تھا جس کے بارے میں فردوسی نے کہا ہے۔

رستم ناروئی قبیلہ'' یاحسنی'' محمد حسنی کا ایک فرد تھا۔

بلوچ شاعری

جب ہم بلوچ شاعری کی بات کرتے ہیں تو اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ بلوچی شاعری کو رند قبیلے کے شعرا نے پروان چڑھایا اور ترقی دی حالانکہ ساتویں صدی عیسوی میں میر چاکر رند کے زمانے سے قبل بھی بلوچی زبان میں شاعری ہوتی تھی لیکن سینہ بہ سینہ چلے آنے والے اشعار کا جو سرمایہ ملتا ہے ان میں میر چاکر کے زمانے سے قبل کے شعرا کا کلام نہیں ملتا۔لیکن محققین کا کہنا ہے کہ چاہے میر چاکر رند کے زمانے کا کلام ہو یا بعد کا اس کلام کا ماخذ بلوچ قوم کے بزرگوں کے نسلاً بعد نسلاً سنائے جانے والے واقعات اور لوک کہانیاں ہیں۔

اس سلسلے میں جب ہم بلوچ شاعری کے حوالے سے بلوچ قوم کی بات کرتے ہیں تو

ہمیں بلوچ قوم کی یزید کے مقابلے پر امام حسین علیہ السلام کی حمایت اور محمدؐ و آلِ محمدؐ سے عشق کے بارے میں شاعرانہ نظموں کے ذریعے یہ روایات بھی ملتی ہیں کہ جب حضرت محمد مصطفیٰؐ کے پاس مکہ میں بہت کم افراد تھے تو بلوچوں نے اپنے قبائل کے پانچ بہادر بلوچوں کو منتخب کر کے رسولؐ اللہ کی حفاظت کے لئے مکہ بھیجا تھا اس واقع کو نظم بند کرتے ہوئے ایک شاعر کہتا ہے۔

ترجمہ: پانچ بہادر بلوچ رسولؐ اللہ کی خدمت میں کھڑے تھے جب اللہ کے دوست نماز پڑھتے تو وہ پہرہ دیا کرتے تھے جب کفار کے ساتھ لڑائی چھڑی کفار کا لشکر بے شمار تھا تیر توپوں کی طرح برستے اور زمین سے دھواں اُٹھنے لگتا مگر پانچوں بلوچ ثابت قدم رہے ان کا ایمان قائم رہا دشمن ان کو مغلوب نہ کرسکا اس دن پاک نبیؐ نے بلوچ کے سر پر طلائی تاج رکھا۔

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ حیات رسول اکرمؐ میں بلوچوں کی رسولؐ اکرم سے عقیدت اور جانثاری میں بلوچوں کی حضرت امیر حمزہ علیہ السلام سے نسبت کا اثر ہو۔ کیونکہ میر گل خان نصیر کہتے ہیں کہ روایتی طور پر رندوں کی طرح براہوی بھی خود کو حضرت امیر حمزہ علیہ السلام کی اولاد اور قریش کہتے ہیں۔اس لئے سردار عومر (میرواڑی) کی مدح میں اس دور کا ایک بلوچ شاعر کہتا ہے۔

ترجمہ: ان دنوں عومر کا دربار لگتا تھا میرو کا بیٹا عومر دنیا میں مشہور تھا وہ نہ صرف اپنے قبیلے کا سردار تھا بلکہ سردارانِ جہاں کا ہم پلہ تھا بلکہ دوسرے تمام بلوچ قبائل کے لئے بھی ایک آہنی پناہ گاہ تھا۔وہ قریشیوں کی عادل نسل اور حمزہ وعباس کی اولاد سے تھا۔اس کے دادا ابراہیم کا نام تاریخ میں درج ہے۔

بلوچ قوم کے لوک گیتوں اور کہانیوں میں رسول اکرمؐ اور حضرت علی علیہ السلام سے خود کو منسوب کرنے کے بارے میں نہایت دلچسپ باتیں بیان کی گئی ہیں۔ ایل

ایم۔ڈیمز کی کتاب میں حضرت علی علیہ السلام کی سخاوت سے متعلق ایک نظم میں خان آف قلات کے قبیلے قنبرانی کو حضرت علی علیہ اسلام کے غلام قنبر سے منسوب کیا گیا ہے۔خان آف قلات میر احمد یار خان نے اپنی کتاب (Inside Baluchistan) میں بلوچوں کی نسلی تاریخ پر گفتگو کرتے ہوئے یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ بلوچ حضرت علی علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں جب کہ ایک اور نظم میں یہ بتایا گیا ہے کہ میر چاکر خان کا بیٹا میر شاہ داد حضرت علی علیہ السلام کے سایہ کی برکتوں سے پیدا ہوا تھا۔ یہاں شاہ داد کی ولادت کو شاہ کی عنایت بتایا گیا ہے اور شاہ سے مراد حضرت علی علیہ السلام کی ذات گرامی لی گئی ہے۔اس کے علاوہ بہت ساری نظموں میں بلوچ اپنے آپ کو رسول اکرمؐ کے چچا حضرت امیر حمزہ علیہ السلام کی اولاد قرار دیتے ہیں۔ایک اور نظم میں کچھ شعرا بلوچوں کو ان پانچ بہادر بھائیوں سے بھی منسوب کرتے ہیں کہ جو میدان کربلا میں یزیدی فوج سے لڑنے کے لئے امام حسین علیہ السلام سے اجازت لینے کے لئے آئے تھے۔اس تمام قدیم شاعری سے کہ جو بلوچ قوم کی تاریخ کا واحد ورثہ ہے یہ بات تو اب متفقہ ہے کہ بلوچ قوم دراہلبیتؑ سے وابستہ تھی۔

بلوچی زبان کے نامور ادیب اور شاعر جناب غوث بخش صابر کی کتاب ''زحم ءِ ذیمر'' جس میں اسلامی جنگوں کے حوالے سے بلوچی زبان کے مختلف شعرا کا کلام ہے جس میں کل 17 نظمیں ہیں جن میں سے 12 نظمیں حضرت علی علیہ السلام کے حوالے سے ہیں۔ان نظموں میں حضرت علی علیہ السلام کی سخاوت، شجاعت اور رسول پاکؐ حضرت محمد مصطفیٰؐ سے محبت اور معجزات کے حوالے ہیں جن میں بہت سی اور روایتیں بھی بیان کی گئی ہیں، لیکن اس کتاب میں ملا بہادر کی ایک مناجات میں بارہ اماموں اور چہاردہ معصومین علیہ السلام کا ذکر جس خاص طریقے سے کیا گیا ہے وہ قابل غور ہے اسی نظم میں آٹھویں امام حضرت علی بن موسیٰ رضا علیہ السلام کہ جن کا مزار مقدس شہر مشہد (ایران) میں ہے کا نام خاص جس انداز

سے لیا گیا ہے وہ بھی بہت اہم ہے۔

دراصل بارہ اماموں اور چہاردہ معصومین علیہ السلام کے ناموں کا نظموں اور لوک گیتوں میں اظہار کرنا بلوچ قوم کے مکمل شیعہ عقائد سے وابستگی کا مظہر ہے، اس طویل نظم کے چند اشعار درج ذیل ہیں۔

بار گرانم کن سبک — از من دعا ، از تو کمک
اعلیٰ علی موسیٰ رضا — اے دافع کل قضا
دوازدہ امام مرتضیٰ — معصوم چہاردہ بیگناہ
با برکت اہل صفا — لطفے بکن بر من اللہ

اس نظم میں بارہ اماموں سے مراد۔

۱۔حضرت علی علیہ السلام، ۲۔حضرت امام حسن علیہ السلام، ۳۔حضرت امام حسین علیہ السلام، ۴۔حضرت امام زین العابدین علیہ السلام، ۵۔حضرت امام محمد باقر علیہ السلام، ۶۔حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام، ۷۔حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام، ۸۔حضرت امام علی رضا علیہ السلام، ۹۔حضرت امام محمد تقی علیہ السلام، ۱۰۔حضرت امام علی نقی علیہ السلام، ۱۱۔حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام، ۱۲۔حضرت امام مہدی علیہ السلام ہیں۔جبکہ چودہ معصومین علیہم السلام سے مراد بارہ آئمہ کے علاوہ حضرت رسول اکرمؐ اور جناب فاطمہ زہرا علیہ السلام کی ذات گرامی ہے۔

اس طرح ممتاز ادیب اور دانشور اور نامور براڈ کاسٹر جناب بشیر احمد بلوچ نے اپنی کتاب ''شب چراگ'' میں مُلا فاضل رند کی نظم کے چند اشعار لکھے ہیں جو حضرت علی علیہ السلام کے ایک معجزے سے متعلق ہیں اس نظم میں ایک نوجوان کی داستان بیان کی گئی ہے جو کسی لڑکی کی خوبصورت آنکھوں پر فریفتہ ہو جاتا ہے جس کے بعد وہ ایک قاصد کے ذریعے پیغام بھیجتا ہے کہ وہ اس کی حسین آنکھوں کے سحر میں گرفتار ہو چکا

ہے۔لڑکی کہتی ہے کہ یہ تو عارضی آنکھیں ہیں جنہیں موت کے بعد کیڑے کھا جائیں گے اور یہ کہتے ہوئے اپنی دونوں آنکھیں نکال کر قاصد کے ہاتھوں اس شخص کے پاس بھجوا دیتی ہے۔قاصد کے ہاتھوں میں لڑکی کی آنکھیں دیکھ کر اس شخص کی کیفیت بدل جاتی ہے اور یہ خوف الٰہی سے لرز جاتا ہے۔اور وہ اسی کیفیت میں بارگاہ حضرت علی علیہ السلام میں حاضر ہو کر التجا کرتا ہے کہ وہ اس کی مشکل کشائی فرمائیں۔حضرت علی علیہ السلام پروردگار عالم کی جانب سے دیئے گئے منصب و مرتبہ کے تحت اس لڑکی کو پہلے سے بھی زیادہ خوبصورت آنکھیں عطا کرتے ہیں اور اس طرح یہ دونوں رشتہ ازدواج میں منسلک ہو جاتے ہیں۔اس واقعہ سے بہت سے لوگ ہدایت پاتے ہیں، اس نظم کے آخر میں شاعر کہتا ہے کہ یہ اللہ کے ولیوں کا راستہ ہے اور اس میں شک نہیں کرنا چاہیے۔

اس نظم کے چند اشعار ذیل میں درج کئے جارہے ہیں۔

یا علیؑ حضرت کپتگ من ء کارے
متی سر ء کپتگ زیادھیں بارے
پہ تئی دستا سھل و آسان انت
پہ مٹی جاں ء بیرگ ء گران انت
قمبر پہ تا جیلی روان داتگ
دخترے معلوم دار کنا ییتگ

اس طرح حضرت علی علیہ السلام کے علاوہ رسول اکرمؐ کی پیاری بیٹی جناب فاطمہ زہرا علیہ السلام کی منزلت و مرتبہ بلوچ قوم میں کتنی زیادہ ہے اس کا اندازہ آپ اس بات سے لگا سکتے ہیں کہ شادی شدہ عورت کی وفات پر جو ماتم کیا جاتا ہے اس میں یہ شعر بھی پڑھا جاتا ہے کہ تجھے پاک فاطمہ علیہ السلام کی مدد ہر دم حاصل رہے اور وہ تمہارے لئے اپنی مستعد

کنیزوں کے ذریعے پھولوں کے گلدستے بھیجتی رہیں۔

اس ہی طرح ہم بلوچوں کی چودہ سو سالہ تاریخ کی ورق گردانی کرنے کے بعد انہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل قرار دیں یا کرد مان لیں تاریخ میں ان کی بلوچستان کی جانب ہجرت کے حوالے سے عرب مورخین کی تاریخی کتابیں دیکھیں یا ایرانی مورخین کی سند مانیں لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ بعد از ظہور اسلام بلوچ من حیث القوم حضرت علی علیہ السلام کے جانثاروں اور امام حسین علیہ السلام کے ان ساتھیوں میں تھے کہ جنہوں نے میدان کربلا میں جام شہادت نوش کیا ان میں ایک نہایت درخشاں نام جناب حبیب ابن مظاہر اسدی مظاہری (مزاری) کا ہے جن کا تذکرہ ہم اگلے ابواب میں تفصیل کے ساتھ کریں گے۔

بلوچ قوم نے نہ صرف یہ کہ سانحہ کربلا میں امام حسین علیہ السلام کا ساتھ دیا بلکہ سانحہ کربلا کے بعد بھی بلوچوں نے لشکر یزید سے سات جنگیں لڑیں اور پھر عزاداری کی شکل میں امام حسین علیہ السلام پر ظلم کے خلاف مظلوم کی حمایت کے پیغام کو آگے بڑھایا جس کے سبب بنوامیہ بلوچوں کے ازلی دشمن بن گئے اور بلوچوں کو اپنے آبائی وطن حلب کو خیر باد کہنا پڑا۔

خان آف قلات نے اپنی کتاب ''قوم بلوچ اور خوانین بلوچ'' میں واقعہ کربلا کے بعد بلوچوں کی نقل مکانی کا جو نقشہ شائع کیا ہے اس نقشے کو ہم قارئین کی معلومات کے لئے شائع کر رہے ہیں۔

(نقشہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں)



یہاں پر اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ یہ بلوچ جنہوں نے حلب سے بلوچستان کے لئے نقل مکانی کی نہ صرف یہ کہ یہ سب شیعہ تھے بلکہ انہوں نے شیعیت کو پھیلانے میں بھی ایک بھرپور کردار ادا کیا، جس کی مثال ہم ملتان میں میر شاہ داد خان کی صورت میں دیکھتے ہیں جنہیں تاریخ فرشتہ کا مصنف اور بعض دیگر مورخین نے ملتان میں شیعیت کا بانی قرار دیا ہے۔

لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ ماضی میں شیعہ کہلانے والی بلوچ قوم میں اب شیعوں کی وہ تعداد نہیں ہے حالانکہ اب بھی غیر شیعہ بلوچ اہلبیتؑ کا بہت زیادہ احترام کرتے ہیں۔ اس کی وجہ ان کی رگوں میں ان کے بزرگوں کا خون ہے کہ جو سب کے سب شیعہ تھے۔

اس لئے بلوچوں کی تاریخ پر مشتمل اس مستند تاریخی کتاب کو لکھنے کا مقصد ہی یہ ہے کہ بلوچ قوم کے پڑھے لکھے افراد اور باشعور نوجوانوں کو اصل حقائق سے آگاہ کیا جائے کیونکہ بلوچ قوم کے ساتھ دین کے نام پر کی جانے والی سازش کے باوجود اب بھی بلوچ قوم میں مجموعی طور پر اہلبیتؑ سے بھرپور عقیدت اور محبت موجود ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صورت خان مری اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں کہ بلوچ آج بھی خود کو حضرت علی علیہ السلام کا پیروکار کہلانے پر فخر محسوس کرتے ہیں اور آج بھی بلوچوں کا جنگی نغمہ یا علیؑ علیؑ مدد ہے۔ اور وہ علی علیہ السلام کو ہی اپنا رہنما مانتے ہیں۔ اپنے اس مضمون میں صورت خان مری نے کئی رزمیہ نظموں کے حوالے دیئے ہیں جن میں سے دو نظموں کے ترجمے تحریر کرتے ہیں۔

ترجمہ: مقدس شخص کا دوست گاتا ہے وہ اللہ اور اس کے رسولؐ کی تعریف کرتا ہے وہ بارہ اماموں کی تعریف کرتا ہے۔ چہاردہ معصومین علیہ السلام کے اور چالیس ابدالوں کی تعریف کرتا ہے ایک اور نظم میں اہلبیتؑ کے بارے میں تحریر ہے۔

جنت کے دو سرخ گلاب ہیں حسن علیہ السلام بادشاہ ہیں حسین علیہ السلام شہزادہ ہیں حیدر علیہ السلام کے یہ لعل و گوہر اللہ کے دربار میں بارہ امام علیہ السلام کے درمیان کھڑے ہیں۔

اسی حوالے سے "Edword E O'liver Aeross the border "Pahtan and Balooch" میں جس کا ترجمہ ایم انور خان نے پٹھان اور بلوچ کے نام سے کیا ہے بلوچ تاریخ کے تبرکات کے عنوان سے بلوچوں کے بارے میں لکھتا ہے کہ سرحدی لوگوں کے مقابلے پر بلوچوں کے ہاں تاریخ کا فقدان ہے اس لئے ان کی تاریخ جاننے کا واحد ذریعہ ان کی قدیم شاعری ہے جس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ اپنی روایات کے مطابق بلوچ قوم نے کربلا میں امام حسین علیہ السلام کا ساتھ دیا جس کی وجہ سے یزیدی فوج بلوچ قوم کی مخالف ہوگئی اور ان کو اپنے آبائی وطن حلب سے کوچ کرنا پڑا۔

بریگیڈیر ریٹائرڈ عثمان حسن بھی بلوچوں کے بارے میں یہی لکھتے ہیں کہ رند قبائل یزید کی خلافت کے زمانے میں شام کے شہر حلب میں رہتے تھے لیکن سانحہ کربلا میں امام حسین علیہ السلام کا ساتھ دینے کی وجہ سے بنو اُمیہ کے ظلم کا شکار ہوئے اور ان کو وہاں سے ہجرت کرنا پڑی اور جب بنو اُمیہ نے کرمان تک ان کا پیچھا کیا تو وہ مکران کی جانب چلے گئے۔

بریگیڈیر ریٹائرڈ عثمان حسن بلوچ قوم کی قدیم شاعری کو جانچنے کے بعد اسے سند قرار دینے والوں میں میر جلال خان کا نام بھی لیتے ہیں۔ بلوچ قدیم شاعری کے حوالے سے ذکا اللہ خان لودھی جنہوں نے جسٹس مری کی کتاب کا ترجمہ کیا ہے لکھتے ہیں کہ مکمل نظم میں سو سے کچھ کم اشعار ہیں اور ہر پانچویں لائن میں جو کہ نظم میں خاص مقام رکھتی ہے شاعر یہ ضرور کہتا ہے کہ ہم حضرت علی علیہ السلام کے ماننے والے ہیں اور حضرت امیر حمزہ علیہ السلام کی اولاد ہیں جو رسول اکرمؐ کے چچا تھے۔

تاریخ کے صفحات میں آگے کی جانب بڑھنے سے قبل اس بات کی وضاحت کرنا بہت ضروری ہے کہ بلوچ قوم کی تاریخ میں شاعری اور لوک گیتوں کو وہی مقام حاصل ہے جو کتابی شکل میں موجود تاریخ کو ہوتا ہے۔ کیونکہ بلوچی زبان کا رسم الخط انگریزوں نے 18 ویں صدی عیسوی میں رومن انگلش میں تیار کیا اس لئے بلوچ قوم کے پاس اس کے

علاوہ اور کوئی راستہ نہ تھا کہ وہ اپنے مذہبی اور تاریخی ورثے کو نظموں اور لوک گیتوں کے ذریعے محفوظ کرے۔

اس سلسلے میں بلوچوں کی تاریخ کو نسل در نسل اور سینہ بہ سینہ منتقل کرنے میں ان بلوچ گویوں کا بھی بہت بڑا کردار ہے کہ جنہوں نے ان طویل نظموں اور لوک گیتوں کو زبانی یاد کر کے سینہ بہ سینہ چودھویں صدی کی نسل کو دیانتداری کے ساتھ منتقل کیا۔

ان نظموں اور لوک گیتوں پر تبصرے کے حوالے سے ہمارے سامنے بریگیڈیر ریٹائرڈ عثمان حسن کی کتاب بلوچستان رپورتاژ بھی ہے جس میں وہ ان نظموں پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ان نظموں میں سانحہ کربلا اور بلوچ قوم کی حضرت علی علیہ السلام سے بیعت کا ذکر بھی ہے اس سلسلے میں ڈاکٹر میر عالم راقب نے بھی اپنی کتاب تواریخ بلوچ میں کچھ تفصیل بیان کی ہے۔ ان کے بیان کے تحت شہدائے کربلا میں شامل جناب حبیب ابن مظاہر اسدی المظاہری جو کہ امام حسین علیہ السلام کے دیرینہ ساتھی اور دوست تھے ان کے نام میں شامل المظاہری لفظ مزاری ہے اور یہ لفظ مزاری بھی قدیم لفظ ہے۔

تاریخ میں لکھا ہے جب امام حسین علیہ السلام مدینے سے کربلا کی جانب روانہ ہوئے اور میدان کربلا میں نرغہ اعدا میں گھر گئے تو آپؑ نے اپنے بچپن کے ساتھی اور صحابی رسولؐ حبیب ابن مظاہر (مزاری) کو خط لکھا کہ وہ میدان کربلا میں ان کی مدد کے لئے پہنچیں۔ امام حسین علیہ السلام کا قاصد جب امام حسین علیہ السلام کا خط لے کر کوفہ پہنچا اس وقت جناب حبیب ابن مظاہر (مزاری) کوفے کے بازار میں خضاب خرید رہے تھے۔ جب امام حسین علیہ السلام کے قاصد نے جناب حبیب ابن مظاہر کو امام حسین علیہ السلام کا خط دیا تو خط کو پڑھنے سے پہلے جناب حبیب ابن مظاہر (مزاری) نے خط کو آنکھوں سے لگایا اور جیسے ہی امام حسین علیہ السلام کے میدان کربلا میں یزیدی فوج کے درمیان گھر جانے اور حبیب کو مدد کے لئے بلانے کے الفاظ پڑھے تو حبیب نے دوکاندار کو یہ کہہ کر خضاب واپس کر دیا کہ اب

میری داڑھی میرے خون سے ہی رنگین ہوگی ، واضح رہے یہ جملہ بلوچوں کی ثقافت کا آئینہ دار ہے۔ آخر حبیب ابن مظاہر (مزاری) یزید کی فوج کی جانب سے سخت ترین ناکہ بندیوں کو عبور کرتے ہوئے میدان کربلا پہنچے اور جب حبیبؓ ابن مظاہر کی آمد کی خبر خیام حسینی میں پہنچی تو امام حسین علیہ السلام کی بڑی بہن جناب زینب علیہ السلام نے اپنی کنیز فضہؓ کے ذریعے جناب حبیب ابن مظاہرؓ کو سلام پہنچایا اور کہلوایا کہ بھائی حبیب علیؑ کی بیٹی اپنے بھائی حسینؑ کی مدد کے لئے آنے پر آپ کا شکریہ ادا کرتی ہے، تو حبیب نے اہلبیتؑ کے گھرانے کی غربت کا یہ عالم دیکھ کر اپنے سر سے عمامہ اتار کر پھینک دیا۔

اور اب 10 محرم 61ہجری روز عاشور نماز صبح کا وقت قریب آیا تو امام حسین علیہ اسلام نے یزیدی فوج سے نماز پڑھنے کی اجازت مانگی اس پر یزیدی فوج کے سپاہی حصین ابن نمیر نے کہا (نعوذ باللہ) حسینؑ کی نماز جائز نہیں۔ یہ سن کر حبیب ابن مظاہرؓ نے تلوار نیام سے نکالی اور یہ کہتے ہوئے حصین بن نمیر کے منہ پر وار کر کے کہا کہ اے لعین کیا کبھی ایسا ہو سکتا ہے کہ تم جیسے فاسقوں اور فاجروں کی نماز قبول ہو اور حسینؑ ابن علیؑ کی نماز قبول نہ ہو۔ جناب حبیب ابن مظاہرؓ کی تلوار کے اس وار سے حصین ابن نمیر کی ناک کٹ گئی تو اس نے اپنے دوسرے ساتھیوں کے ہمراہ جناب حبیب ابن مظاہرؓ پر حملہ کر دیا۔ جناب حبیب ابن مظاہرؓ نے بہت سے یزیدیوں کو واصل جہنم کیا۔ آخر تین دن کی بھوک اور پیاس کے سبب کہاں تک لڑتے وقت آخر امام حسین علیہ السلام کو سلام آخر کیا امام حسین علیہ السلام جناب حبیبؓ ابن مظاہر مزاری کے لاشے پر پہنچے تو فرط محبت سے اپنا منہ حبیبؓ کے منہ پر رکھ دیا اور فرمایا کہ حبیبؓ تم ہمیشہ اپنے قول پر صادق رہے اللہ تعالیٰ تم پر ہمیشہ اپنی رحمتیں اور برکتیں نازل کرے اور پھر فرمایا کہ حبیب اب جب تم مجھے چھوڑ کر چلے گئے تو اب مجھے مشورے کون دے گا۔ یہ اس جری بہادر اور قول کے پکے حبیبؓ ابن مظاہر (مزاری) کے خلوص اور درِ اہلبیتؑ سے وابستگی کا اثر تھا کہ روضہ امام حسین علیہ السلام میں امام حسینؑ کی ضریح مبارک کے قریب آپؓ کے دوست اور سچے

پیروکار حبیبؓ کی ضریح امامؑ کی نظر میں حبیب کے مرتبہ و منزلت کی عکاس ہے۔

رائے بہادر لالہ ہتو رام نے اپنی کتاب ''تاریخ بلوچستان'' میں امام حسین علیہ السلام سے حبیب ابن مظاہر مزاری کے تعلق کا ذکر کیا ہے اس نظم میں بھی بلوچوں کی بلوچستان سے ہجرت کو واقعہ کربلا کے بعد بنواُمیہ کی جانب سے بلوچوں پر ہونے والے مظالم سے مربوط کیا ہے۔ لالہ ہتو رام کی یہ کتاب پہلی مرتبہ 1907 میں شائع ہوئی جس کے بعد 1987 میں بلوچی اکیڈمی نے اس کتاب کو ملک محمد پناہ سے نظر ثانی کرا کر شائع کیا۔

بلوچ قوم کے مذہب کے بارے میں لالہ ہتو رام بھی لکھتے ہیں کہ بلوچ شیعہ مسلک سے ہی تعلق رکھتے تھے کیونکہ یہ خود کو حضرت علی علیہ السلام کا مرید کہتے تھے۔

یہاں پر اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ شیعہ اور سنی مسلک میں اسلام کے بنیادی عقائد میں کوئی زیادہ فرق نہیں ہے دونوں مکتب فکر اللہ کی وحدانیت، رسول اکرمؐ کی ختم نبوت، قرآن کریم اور روزِ قیامت پر یقین رکھتے ہیں۔ دونوں مسلکوں میں صبح کی نماز ۲ رکعت، ظہر چار رکعت، عصر چار رکعت، مغرب تین رکعت اور عشاء چار رکعت ادا کی جاتی ہے۔ نماز کے ساتھ ساتھ روزہ، حج، زکوٰۃ دونوں مکتب فکر میں فرض میں شمار ہوتے ہیں۔ لیکن کچھ ایسے اختلافات ہیں جن کا ہم کتاب کے آخر میں کچھ تفصیل کے ساتھ تذکرہ کریں گے۔

جہاں تک بلوچ قوم کے مکتب اہلبیتؑ سے وابستہ ہونے کی تاریخ ہے اس سلسلے میں میر گل خان نصیر اپنی کتاب تاریخ بلوچستان میں بلوچوں کے بارے میں رقم طراز ہیں کہ واقعہ کربلا کے بعد بنوامیہ نے بلوچوں کے حضرت امام حسین علیہ السلام کے ساتھ دینے کے عمل کو قابل گردن زدنی قرار دیتے ہوئے ان پر حملوں کا سلسلہ شروع کر دیا اور اس سلسلے میں یزید کے بعد تاریخ کے بدترین شخص حجاج بن یوسف نے مسلمانوں کے جن ایک لاکھ بیس ہزار سروں سے مینار بنایا ان میں پیروکاران علی ہونے کے ناطے بلوچ قوم کے افراد کے سر بھی تھے۔ کیونکہ حجاج بن یوسف نے عراقیوں کے ساتھ ساتھ بلوچ قوم کا بھی بے

دریغ خون بہایا۔

روایات میں ہے کہ سردار جلال خان کی سرکردگی میں بلوچوں کے چوالیس قبیلے حلب سے ہجرت کر کے ایران آئے اور بعد میں کرمان اور سیستان سے ہجرت کر کے مکران آ گئے اور مند اور اس کے گرد ونواح میں سکونت اختیار کی۔ جہاں سردار جلال خان کچھ عرصے بعد ہی فوت ہو گیا۔

ہم یہ بات پہلے بھی بتا چکے ہیں اور تمام سابقہ حالات و واقعات کی روشنی میں پھر اس بات کو دہراتے ہیں کہ امام حسین علیہ السلام کا جانثار ہونے کے سبب بنواُمیہ کے درباری مورّخوں نے بلوچ قوم کو ڈاکو، لٹیرے، قاتل اور وحشی جیسے ناموں سے روشناس کرایا اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ ایک تو حکومتی مورّخ ہونے کے ناطے قلم ان کے ہاتھ میں تھا اور دوسرے ان کو بلوچوں کو قتل کرنے کے لئے یہ جواز بھی چاہئے تھا۔ لیکن اس حقیقت سے دشمن بھی انکار نہ کر سکا کہ بلوچ قوم عاشق علیؑ محب علیؑ اور پیروکار علیؑ تھی۔

ہم یہاں پر یہ بات بھی واضح کرنا چاہتے ہیں کہ واقعہ کربلا کے بعد یہ صرف بلوچ قوم ہی نہیں تھی جو یزیدیوں کے مقابلے پر آئی بلکہ جیسے جیسے حقائق منظر عام پر آتے گئے مسلمانوں کے دیگر بہت سارے گروہ اور قبیلے یزید کے خلاف میدان عمل میں آ گئے کیونکہ ان پر واضح ہو گیا تھا کہ یزید نے نعوذ باللہ باغی اور اسلام کا دشمن کہہ کر جن عظیم ہستیوں کو میدان کربلا میں شہید کیا وہ نواسہ رسولؐ امام حسین علیہ السلام اور ان کے ساتھی تھے۔ اور جن فلک مقام مستورات کو بعد سانحہ کربلا قیدی بنا کر بازاروں میں اور پھر دربار شام میں لایا گیا وہ اسلام دشمنوں کے اہل حرم نہیں بلکہ رسولؐ اکرم کی نواسیاں اور دیگر محترم خواتین تھیں۔ سانحہ کربلا کے بعد بنوامیہ کے ظلم و ستم کا شکار بننے والوں میں بلوچ قوم کو من حیث القوم شام کے شہر حلب سے اس لئے نقل مکانی کا سامنا کرنا پڑا کیونکہ بلوچ من حیث القوم تمام کے تمام پیروکاران اہلبیتؑ تھے اور ان کے علاوہ شام میں کوئی اور قبیلہ پیروکار اہلبیتؑ

نہ تھا۔ جبکہ عراق میں صورت حال مختلف تھی کیونکہ وہاں مختلف علاقوں میں بہت بڑی تعداد میں شیعہ قبائل آباد تھے جس کی وجہ سے وہاں یزیدی فوج کے خلاف بڑی تحریکیں وجود میں آئیں۔ جناب مختار ثقفی، جناب ابراہیم بن مالک اشتر اور جناب زید شہید اور نفس ذکیہ کی سربراہی میں شیعہ قبائل بنواُمیہ کی فوجوں کے خلاف برسرپیکار رہے۔ اور ان ہی تحریکوں میں جناب مختار ثقفی کی سربراہی میں شہدائے کربلا کے تمام قاتلوں کو واصل جہنم کیا گیا۔

یہ ضرور ہوا کہ بنواُمیہ کے ظلم و ستم کے دوران عراق سے شیعہ قبائل کی بھی ہجرت ہوتی رہی جو وہاں کافی تعداد میں آباد تھے لیکن سادات کے کچھ گھرانوں نے نقل مکانی کر کے ایران اور ہندوستان کو اپنا مسکن بنایا۔

ایک اور بات کی وضاحت بہت ضروری ہے اور وہ یہ کہ بلوچ قوم پاکستان میں بھی صرف بلوچستان میں ہی آباد نہیں بلکہ ان کے بہت سے قبائل سندھ اور پنجاب کے سرائیکی علاقے میں بھی آباد ہیں اس سلسلے میں ابوقاسم ہندوشاہ اور دیگر تاریخی کتابوں میں ملتان میں بلوچوں کی حکومت اور دریائے سندھ کے دونوں جانب ان کے آباد ہونے کی گواہی بھی موجود ہے۔

جسٹس میر خدا بخش مری کی کتاب ''بلوچ تاریخ کے آئینے میں'' جس کا اُردو ترجمہ پروفیسر سعید احمد رفیق نے کیا وہ رقم طراز ہیں کہ آپ کو بلوچوں میں مُلاں ذہنیت کے افراد بہت کم ملیں گے۔ واضح رہے کہ مُلاں ذہنیت سے مراد یہاں وہی ذہنیت ہے کہ جس کو مدارس کے ذریعے فروغ دے کر معصوم نوجوانوں کو مذہب کے نام پر خودکش بمبار بنا دیا گیا۔ اور دشمنی اہلبیتؑ کا سبق پڑھایا گیا۔

بلوچوں کی خصوصیات بیان کرتے ہوئے جسٹس مری مزید لکھتے ہیں کہ بلوچوں میں آپ کو فقیر بھی بہت کم ملیں گے، پہاڑی علاقوں اور میدانی علاقوں کے بلوچوں کا فرق بیان کرتے ہوئے جسٹس مری کہتے ہیں کہ پہاڑی علاقوں کے مقابلے میں میدانی علاقوں میں سیّدوں کا اثر ورسوخ زیادہ ہے اور یہاں کے بلوچ سیّدوں کے مرید ہوتے ہیں۔ اس کی

وجہ شاید یہ ہو کہ پہاڑی علاقوں میں سادات کے گھرانے آباد نہیں ہیں۔جسٹس مری اپنی اس کتاب میں بلوچوں کے مسلک کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ بلوچوں کا بہاؤ اور رجحان شیعیت کی جانب زیادہ ہے۔

جسٹس مری نے اپنی اس کتاب میں بلوچون کی شاعری کا تذکرہ بھی کیا ہے جس میں واقعہ کربلا کو بیان کیا گیا ہے۔اس شاعری کے تناظر میں جسٹس مری یہ بھی کہتے ہیں کہ وہ بلوچ جنہوں نے واقعہ کربلا میں یزید کے خلاف امام حسین علیہ السلام کا ساتھ دیا ان کا تعلق شام کے شہر حلب سے ہی معلوم ہوتا ہے ۔ اس کے علاوہ جسٹس مری کچھ بلوچوں کی ان تحریکوں میں شامل ہونے کی نشاندہی بھی کرتے ہیں کہ جو کوفے میں جناب مسلم بن عقیل، جناب مختار ثقفی، جناب سلیمان بن صرد خزاعی، جناب ابراہیم بن مالک اشتر، جناب عبداللہ اور جناب زید بن زین العابدین علیہ السلام کی سربراہی میں بنوامیہ کے خلاف چلائی گئیں۔

جسٹس خدابخش مری اور مورخ ابوقاسم بن زین العابدین بھی ہوقل کی کتاب ''کتاب الملک'' کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں یں کہ ابن ہوقل کا یہ کہنا صحیح ہے کہ صحرائی بلوچ شیعہ تھے اور یہ میری اس بات کی تائید ہے کہ یہ تمام بلوچ امام حسین علیہ السلام کے پیروکار تھے اور انہوں نے یزید کے خلاف جنگ کی تھی۔اس طرح یہ بات تاریخ فرشتہ کے مصنف ابوقاسم کے اس تعجب کو بھی ختم کر دیتی ہے کہ میر چاکر رند بلوچ کا لڑکا میر شاہ داد کس طرح وہ پہلا شخص ہوسکتا ہے کہ جس نے سولہویں صدی عیسوی کی ابتدا میں ملتان شہر میں شیعہ عقائد کو رائج کیا تھا۔

اہل۔ایم۔ڈیمز کی کتاب "The Ethnograpay and Historical Skatch of Baloch race" جس کا اردو ترجمہ بلوچ قبائل کے نام سے کامل القادری نے کیا ہے بلوچوں کے بارے میں مختلف مورخین کے حوالے سے اور خصوصاً الرمانی کے حوالے سے قولش (بلوچ) وہ قوم ہے کہ جس کا سلسلہ قبل از اسلام کے یمنی قبائل سے ملتا ہے لیکن ساتھ ہی وہ یہ بھی لکھتا ہے کہ یہ حضرت علی علیہ السلام کا احترام کرتے ہیں۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ تواریخ نے لکھا کہ یمن کے بہت سے قبائل اہلبیتؑ کے زمانے میں ہی دراہلبیتؑ سے منسلک ہو چکے تھے۔

بلوچی حسب نسب کے سلسلے میں علامہ قاضی نور محمد گنجابوی کی کتاب ''جنگ اور تحفہ النصیر'' بھی ایک اہم کتاب ہے قاضی صاحب میر نصیر خان نوری کے ایک درباری مصاحب تھے۔قاضی صاحب نے نصیر خان نوری کے دور میں ہونے والی فتوحات کو فارسی نظم میں رقم کیا ہے۔جس میں اس کے تاریخی واقعات کے علاوہ بلوچوں کے حسب و نسب کے حوالے سے ایک نظم درج ہے (اس نظم کو ہم نظموں کے باب میں درج کریں گے)

اس نظم میں قاضی نور محمد گنجابوی بھی بلوچوں کے حسب و نسب کے بارے میں لکھتے ہیں اور کامل القادری کے نکتہ نظر کو دہراتے ہوئے کہتے ہیں کہ کیونکہ حضرت امیر حمزہؓ کے کوئی نرینہ اولاد نہیں تھی اس لئے آپؓ کی نسل بیٹی کے حوالے سے چلی اور یہ لوگ بلوچ کہلائے جو کہ انتہائی بہادر، مہمان نواز اور صحراؤں میں کالے خیموں میں رہنے والے تھے ۔ اور اہلبیتؑ کی محبت سے سرشار تھے۔ اور جب یزید حکمران تھا تو رند، لاشار، ہوت، جتوئی، اور کورائی نام کے پانچ بھائی میدان کربلا میں امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔اور یزید کی فوج سے لڑنے کی اجازت مانگی۔لیکن امام حسین علیہ السلام نے انہیں واپس لوٹا دیا۔لیکن اس کے بعد جب کربلا میں امام حسین علیہ السلام اور ان کے اصحاب باوفا کی شہادت اور آل رسولؐ کو قیدی بنا کر بازاروں اور دربار یزید میں لانے کی خبر بلوچوں کو ملی تو وہ ایک سال تک امام حسین علیہ السلام کی شہادت کا سوگ مناتے رہے۔اس نظم میں اس بات کا تذکرہ بھی ہے کہ بلوچوں نے امام حسین علیہ السلام کے سوگ میں بال نہیں کٹوائے اس بات سے لگتا ہے کہ بلوچ قوم میں لمبے بال رکھنے کی رسم اسی دور سے جاری ہے۔اس کے ساتھ ہی اس نظم میں بلوچوں کی حلب سے کرمان اور پھر مکران نقل مکانی کا ذکر ہے ۔اس نظم میں کہا گیا ہے کہ آج بھی امام حسین علیہ السلام کے غم میں ماتم کی رسم

بلوچوں میں موجود ہے۔

اس نظم میں بال نہ کٹوانے کی رسم کے حوالے سے مری اور بگٹی قبائل کا خاص طور پر ذکر ہے۔اس نظم میں بلوچوں کی خواتین کی پردے کی سخت پابندی کا بھی ذکر کیا ہے۔

اس نظم میں حضرت امیر حمزہ علیہ السلام کی اولاد نرینہ نہ ہونے کی تصدیق معین الدین ندوی کی کتاب ''سیر اصحابہ'' سے بھی ہوتی ہے۔اس کتاب میں معین الدین ندوی لکھتے ہیں کہ حضرت امیر حمزہ علیہ السلام نے متعدد شادیاں کیں۔جن کے نام بنت الملہ ،خولہ بنت قیس،اور سلمہ بنت عمیس ہیں۔ان میں سے جناب سلمہ بنت عمیس کے بطن سے اولاد ہوئی۔

جن میں لڑکوں کے نام ابویعلی، عامر، عمارہ ہیں جن میں سے دونوں اخرالذکر لاولد تھیں ابویعلیٰ سے چند اولادیں ہوئیں لیکن وہ سب بچپنے میں ہی فوت ہوگئیں۔لیکن بنت عمیس کے بطن سے ایک لڑکی پیدا ہوئی جس کا نام امامہ رکھا گیا۔جب فتح مکہ کے بعد رسول اکرمؐ مکہ تشریف لائے تو امامہ رسول اکرمؐ کو بھائی کہہ کر بھی مخاطب کیا کرتی تھیں۔

میر نصیر خان احمد زئی نے اپنی کتاب تاریخ بلوچ قوم اور بلوچستان میں بلوچوں کے حسب ونسب اور اعتقاد کے حوالے سے گرانقدر معلومات فراہم کی ہیں اور بلوچوں کے حضرت علی علیہ السلام اور حضرت امام حسین علیہ السلام کے طرفداروں اور حامی ہونے سے متعلق کافی تاریخی حقائق پیش کئے ہیں۔میر نصیر خان احمد زئی اپنی کتاب کی جلد سوئم میں رقم طراز ہیں کیونکہ اسلامی مشرقی سلطنت شروع سے ہی حضرت علی علیہ السلام کے بطور خلیفہ زیرِ تسلط رہی اور اس کے بعد یہ تمام تر علاقہ معاویہ کے زیر اثر آ گیا۔مگر بلوچ حضرت علی علیہ السلام کے پیروکار رہے اور یہی سبب بنواُمیہ کا بلوچوں کے خلاف مہم جوئی کا سبب بنا۔

میر نصیر احمد خان زئی نے اپنی کتاب میں شہادت امام حسین علیہ السلام کے واقعات لکھنے کے بعد تمام بلوچ قبائل کی تفصیل دی ہے کہ جنہوں نے امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے بعد امام حسین علیہ السلام کا سوگ بنایا۔حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت

کے بعد عموماً تمام اسلامی سلطنت میں اور خاص کر حجاز ،عراق ،ایران میں یزید کے خلاف سخت نفرت اور بددلی پیدا ہوگئی اور سانحہ کربلا کے بعد شیعیان علیؑ نے شہدائے کربلا کا سوگ منایا اور آہستہ آہستہ یزید کے خلاف محاذ آرائی کا ماحول بننے لگا۔بحوالہ کی روگال نامک، اکراد بلوچ، توران، مکران (قدیم بلوچستان) میں بھی حضرت امام حسین علیہ اسلام کی شہادت کا سوگ منایا گیا کوروگا نامک نے سوگ منانے والے قبائل کی تفصیل اس طرح بیان کی ہے کہ اکراد بلوچ کی قبائلی تنظیم اسجگانہ کی کونسل کے امرا کی سرکردگی میں اکراد بلوچ نے ماتمی اجتماعات کر کے حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت پر اپنی ہمدردی کا اظہار کیا اور شہدائے کربلا کی روح کو ثواب پہنچایا۔

مصنف کوروگال نامک قبائل کی تفصیل اس طرح بیان کرتا ہے کہ جن قبائل نے ماتم میں حصہ لیا وہ درج ذیل ہیں۔

براخوئی۔اورگانی۔زنگنہ۔سنجاوی۔ مالی۔ کرمانی۔ سباہی۔ سفاری۔ بازیجانی۔ سنجانی۔سورانی۔ شاری۔ شاماری۔ سریانی۔ بابینی۔توکانی۔ آسکانی۔ جلابک۔ صلاحی۔ شینوانی۔ جاوی۔ گرجیی۔ ہوتکاری۔ شکانی۔ ندامانی۔شوون۔ مجارانی۔ مرائی۔ کشانی۔ ثمبد۔ کدک۔ خاوری۔ دینوری۔ جسفانی۔سویانی۔حسرانی۔ دیگانی۔ گوجاری۔شاہولی۔ شنبانی۔انیزی۔شابکی۔ بیوانی۔سارونی۔سمدینی۔الزاری۔جسکانی۔کرمانی۔ بوزیری۔ جلوانی۔سلاری۔ ہوتانی۔ ساہتک۔روہیلی۔شولانی۔ بوتانی۔ترحانی۔جیسانی۔ باجانی۔ باہو۔ تیغانی۔شملو۔ رودینی۔ جلاب۔ شخل۔ شابیکی۔تیہو۔ ساوانی۔ بادینی۔ مسکانی۔ آدینی۔ ہیجب۔ یلانی۔ جنیدی۔ درکی۔ شکیبانی۔ شامیری۔ تورانی۔ جیکانی۔ کیکانی۔ بیزن۔جلائی۔زرینی۔سمالی۔تشکری۔شابکی۔سنجری۔سوجانی۔شمبوانی۔بجیری۔کودانی۔ توہو۔ زیرکی۔ بورکی۔ ہوتمانی۔ ہمدانی۔ حاوی۔عبدانی۔بجوری۔تیلگی۔شورانی۔نودو۔ سنگر۔شیفاک۔زیدوی۔کرتک۔کوچانی۔ زرکانی۔ جونگل۔ دراک۔یمبکانی۔کورانی۔

سیوائی۔شیلک۔مجار۔زرنان۔

معاویہ اور یزید نے اپنے دورِ خلافت میں اکراد بلوچ کو اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کی لیکن ناکام رہے اور پھر اکراد بلوچ کے قبیلوں نے امام حسین علیہ السلام کا سوگ منا کر یزید کے خلاف کھلا اعلان جنگ کر دیا۔

اسی حوالے سے میر نصیر خان احمد زئی بلوچوں کی قدیم شاعری میں حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے تذکرے کے عنوان سے لکھتے ہیں کہ پندرھویں صدی کی قدیم بلوچی شاعری میں بھی حضرت امام حسین علیہ السلام کی المیہ شہادت کا تذکرہ ہے۔ یہ بلوچی شاعری کوروگل نامک کے مصنف کے اس بیان کی تائید کرتی ہے کہ واقعتاً اکراد بلوچ نے حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت پر قبائلی اجتماعات کر کے سوگ منایا۔

اس کے بعد میر نصیر احمد زئی شب نامہ کے ابتدائی حصہ میں اشعار کو نقل کرنے کے بعد تبصرہ کرتے ہوئے یہ کہتے ہیں کہ یہ بارہ اشعار پندرھویں صدی کے بلوچی شعرا نے حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے حوالے سے بیان کئے ہیں ان اشعار سے ثابت ہوتا ہے کہ بلوچ قوم اولادِ علیؑ کی طرف دار ہے۔

اسی طرح مولائی شیدائی اپنی کتاب سرزمین بلوچ میں رقم طراز ہیں کہ 37 ہجری میں جنگ صفین شروع ہوئی تو وہ بلوچ جو حضرت علی علیہ السلام سے عقیدت رکھتے تھے انہوں نے مالک اشتر کی سپہ سالاری میں معاویہ کے خلاف امیر المومنین علی علیہ السلام کا ساتھ دیا پھر آگے چل کر وہ لکھتے ہیں کربلا کے معرکے میں امام حسین علیہ السلام اور اہلبیتؑ سے بنوامیہ نے جو سلوک کیا اس سے بنوامیہ کے خلاف عام نفرت میں اضافہ ہوا کیوں کہ بلوچ تو اہلبیتؑ کے خاص وفاداروں میں شمار ہوتے تھے۔ اس لئے بنوامیہ نے پوری بلوچ قوم کو حلب سے نکال دیا کیونکہ بلوچ من حیث القوم امام حسین علیہ السلام کے وفادار تھے۔ اور اس طرح بلوچ حلب سے نکل کر کرمان اور خراسان تک پھیل گئے۔ کیونکہ ان سے پہلے اور 50 قبائل

بھی جلاوطن کئے گئے تھے اس لئے جب بھی خراسان میں انقلابی لہر پیدا ہوتی تو بلوچ اس میں شامل ہوتے تھے اس کی وجہ یہ ہے کہ بلوچوں کی خصلت انقلاب پسند ہے۔

مندرجہ بالا تاریخی حوالوں اور قدیم بلوچی شاعری کے نمونوں سے ایک بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ بلوچ شروع سے ہی شیعہ تھے۔ اور بلوچستان، سندھ اور پنجاب میں آمد کے بعد بھی شیعہ رہے۔ اسی لئے بلوچوں کے سب سے بڑے سردار چاکر اعظم کا بیٹا شاہ داد ملتان میں شیعیت کا بانی قرار پایا۔ یہ بلوچ تمدن کے ہی آثار ہیں کہ سرائیکی ادب کا بڑا حصہ امام حسین علیہ السلام اور واقعہ کربلا پر مشتمل ہے، یہی وجہ ہے کہ پنجاب اور سندھ میں ذاکر سرائیکی زبان میں مجالس پڑھتے ہیں اسی طرح سرائیکی زبان میں شاعری کے علاوہ افسانہ، نظم، غزل اور دوہوں میں بھی واقعہ کربلا کا رنگ واضح طور پر نظر آتا ہے۔ حتیٰ کہ بعض سرائیکی شعرا غزل کو ''وین'' یعنی بین غم کی صدا بھی کہتے ہیں۔

میدان کربلا میں سید الشہداء امام حسین علیہ السلام اور ان کے رفقاء کی شہادت کے بعد کے واقعات تاریخ میں بار بار اس کی تصدیق کرتے ہیں کہ امام مظلوم کی شہادت کے بعد مختلف قبائل یزیدی لشکر کے خلاف صف آرا ہوئے یہاں تک کہ یزیدی لشکر کو شام جانے کے لئے مشکلات کا سامنا کرنا پڑا شیعیان علیؑ نے سانحہ کربلا کے بعد جس طرح مسلح احتجاج کا راستہ اختیار کیا وہ بھی تاریخ میں محفوظ ہے۔

لیکن ابتدا میں بلوچ بنواُمیہ کے خلاف اجتماعی طور پر مسلح جدوجہد کا راستہ اختیار نہ کر سکے کیونکہ ایک تو بلوچ تعداد میں اتنے زیادہ نہ تھے دوسرے ملک شام میں معاویہ اور یزید کا دارالحکومت ہونے کے سبب شام میں بنواُمیہ کے حامی تھے۔ اور بلوچوں کے علاوہ کہیں بھی شیعیان علیؑ کے کوئی قبائل نہ تھے۔

یہی وجہ تھی کہ بنوامیہ کو سانحہ کربلا کے بعد بلوچوں کا امام حسین علیہ السلام کے غم میں سوگ منانا گوارا نہ ہوا اور بلوچوں کو وہاں سے کوچ کرنا پڑا۔

آج بھی بلوچستان کے میدانی علاقوں جعفرآباد، جھل مگسی، کچھی، سبی اور ڈیرہ مراد جمالی میں شیعوں کی ایک بڑی تعداد کی موجودگی اس بات کا ثبوت ہے کہ بلوچ معاشرے میں شیعیت کی جڑیں بہت گہری ہیں۔ اور شیعہ آج بھی ان علاقوں میں موجود ہیں۔

ذکری بلوچ

جہاں تک ذکری قوم کے افراد کی محمدؐ و آل محمدؐ سے عقیدت و محبت کا تعلق ہے تو ذکری قوم بھی اپنے دیگر بلوچ بھائیوں کی طرح حضرت محمد مصطفیٰؐ، حضرت علی علیہ السلام، حضرت امام حسین علیہ السلام سے خاص عقیدت رکھتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ذکری حضرت علی علیہ السلام کو شاہ مردان۔ شیر خدا کہتے ہیں۔

ذکری جب اپنے بچوں سے خوش ہوتے ہیں تو ان کو حضرت علی علیہ السلام کی دُعا دیتے ہیں، شاید ہی کوئی ذکری ایسا ہو کہ جسے نادعلیؑ زبانی یاد نہ ہو۔ جب ذکریوں کے ہاں ولادت ہوتی ہے تو ان کی عورتیں جناب فاطمہ علیہ السلام کے نام پر نیاز کی مٹھائی تقسیم کرتی ہیں۔ جسے وہ اپنی زبان میں ''بسیر'' کہتی ہیں۔ جناب فاطمہ علیہ السلام سے عقیدت کے طور پر ذکری عورتیں اپنی قمیص پر بازو کے نیچے ایک پیوند جناب فاطمہ علیہ السلام کی منت کے حوالے سے لگاتی ہیں۔

ذکری روز عاشور مکمل رنج وغم اور سوگ کے طور پر مناتے ہیں۔ وہ محرم میں کوئی بھی خوشی کی تقریب نہیں کرتے۔ اور اس مہینے میں شہدائے کربلا کی یاد میں نذرونیاز تقسیم کرتے ہیں اور سبلیں لگاتے ہیں۔

ذکریوں کی قدیم دعاؤں، مناجاتوں، اور تعویزوں کا مطالعہ کریں تو علم ہوتا ہے کہ ان میں سے بیشتر دعائیں مناجاتیں اور تعویز شیعہ عقائد کی دعاؤں کی کتابوں ''مفاتیح الجنان'' اور ''صحیفہ کاملہ'' سے لئے گئے ہیں، ذکری بھی ہر دُعا کے اوّل و آخر میں محمدؐ و آل

محمدؐ پر درود پڑھتے ہیں اس کے علاوہ ذکری یا مہدیؑ کے نام سے ذکر کرتے ہیں اور اس ذکر کی وجہ سے انہیں ذکری کہا جاتا ہے۔

سندھ اور پنجاب میں آباد بلوچ قبائل

بلوچستان کے علاوہ بلوچوں کی ایک بڑی تعداد سندھ اور پنجاب میں آباد ہے جہاں بڑی تعداد میں شیعہ بلوچ آباد ہیں۔

سندھ میں اگر قوموں کی تقسیم کے تحت درجہ بندی کی جاتے تو سندھ میں بلوچ شاید پہلے یا دوسرے نمبر پر آئیں گے۔ سندھ میں ریاست خیر پور جس کے حکمران تالپور بلوچ تھے یہ سب کے سب شیعیت کے مبلغ تھے۔

اندرون سندھ بھی شیعہ بلوچوں کی اکثریت ہے اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ بلوچستان کے مقابلے میں سندھ میں بلوچوں کو بہتر انداز میں شیعی ماحول نصیب ہوا اور وہ شیعہ دینی مدارس سے بھی وابستہ ہیں۔

اسی طرح پنجاب میں بھی بلوچ بڑی تعداد میں آباد ہیں۔ اس حوالے سے ضلع بکھر، میانوالی، لیہ، مظفر گڑھ، رحیم یار خان، ڈیرہ غازی خان اور سندھ دریا کے دونوں جانب شیعہ بلوچ آباد ہیں۔

صوبہ خیبر پختونخواہ میں ڈیرہ اسماعیل خان میں بیشتر بلوچ شیعہ ہیں اور یہاں کے دینی مدارس میں خدمت دین انجام دے رہے ہیں۔ ڈیرہ اسماعیل خان میں باب النجف اور کوٹلی امام حسین کے بیشتر مدرس شیعہ ہیں اس علاقے میں خاص طور پر کھوسہ بلوچوں کی اکثریت ہے۔

جو بیس پچیس میل کی پٹی پر آباد دشتی بلوچ سب کے سب شیعہ ہیں۔ لغاریوں میں بھی شیعوں کی خاصی تعداد ہے۔ خان پور کھوڑہ کے دارالعلوم جعفریہ کے مولانا شیر اسدی بلوچ ہیں، اسی طرح مولانا محمد یعقوب براہوی بلوچ ہیں۔ پاکستان کے سب سے بڑے شیعہ

مدرسے جامعہ المنتظر کے بانی مولانا اختر عباس صاحب بلوچ ہیں۔تحریک جعفریہ پنجاب کے عہدیداروں پر نظر ڈالی جائے تو ان میں بیشتر عہدیدار بلوچ ہیں جیسا کہ پنجاب کے جنرل سیکرٹری پروفیسر خادم حسین لغاری، جھنگ کے صدر خوشحال خان بلوچ، سرگودھا کے صدر غلام بشیر کورائی، اسی طرح امامیہ اسٹوڈینٹس آرگنائزیشن پاکستان کے مرکزی جنرل سیکرٹری شبیر بزدار، اور مرکزی اسکاؤٹ انچارج حیدر عباس جتوئی، اس کے علاوہ تحریک جعفریہ کے ذیلی ادارے پاسبان اسلام کے مرکزی مسئول فدا حسین لغاری اور پنجاب کے صوبائی مسئول شمیم کورائی بھی بلوچ ہیں۔

اندرون سندھ ضلع خیر پور، حیدرآباد، نوابشاہ، دادو، سکھر، گھوٹکی، شکارپور، گڑھی یاسین، کندھ کوٹ، کشمور اور جیکب آباد میں شیعہ بلوچ بڑی تعداد میں آباد ہیں۔ان میں زیادہ تر عمرانی، ڈومکی، بجارانی، جھکرانی، کھوسہ، جمالی اور رندوں کے علاوہ چانڈیو اور تالپور بلوچ شامل ہیں۔

سندھ کے تالپوروں کے بارے میں علی حسین رضوی اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ یہ قبیلہ بھی امیر حمزہ علیہ السلام کی اولاد میں سے ہے جو کرمان اور مکران سے ہوتا ہوا پانچویں صدی عیسوی میں موجودہ بلوچستان سے سندھ منتقل ہوگئے، سندھ میں تالپور حکمرانوں کے آخری چشم چراغ جناب میر علی مراد خان تالپور سابق والی ریاست خیر پور ابھی ماشااللہ حیات ہیں جنہوں نے خیر پور اسٹیٹ کے شیعی ماحول کو برقرار رکھا۔

پنجاب اور سرحد کے دینی مدارس کے مدرسین کی طرح سندھ کے متعدد مدارس کے مدرسین بلوچ ہیں۔مثلاً شہداد کوٹ کے مدرسے کے مدرس غلام قنبر مری، شکارپور کے مولانا نذیر احمد مری، خیر پور کے مولانا عنایت علی کھوسہ، واگرجی کے مدرسہ دارالعلوم کے پرنسپل مولانا عباس علی لغاری النجفی جامشورو کے پرنسپل مولانا حیدر علی جوادی کھوسہ، اس کے ساتھ ہی تحریک جعفریہ سندھ کے صوبائی صدر مولانا باقر علی رند بلوچ ہیں۔

بلوچوں کی رسومات

بلوچستان کے نامور اور ممتاز شاعر اور بلوچی تاریخ ادب وثقافت کے ماہر عطا شاد لکھتے ہیں کہ بلوچ آج بھی علی علیہ السلام کی قسم کھاتے ہیں وہ اپنی کتاب بلوچ نامہ کے صفحہ 33 پر لکھتے ہیں کہ بلوچی خواتین اپنی مرادیں پوری ہونے کے بعد جناب فاطمہ زہرا علیہ السلام کے نام سے ایک نذر خواتین میں تقسیم کرتی ہیں۔یہ نذر غالباً کسی مراد کے لئے فاطمہ زہرا علیہ السلام کی کہانی سننے کی منت ماننے کے بعد منت پوری ہونے کی شکل میں کہانی سُنی جاتی ہے اور شرینی تقسیم کی جاتی ہے۔

بلوچستان کے نامور مورخ اور دانشور جناب عزیز لونی کہتے ہیں کہ ان کے گاؤں کرک میں جو کہ سبی سے چار کلومیٹر کے فاصلے پر ہے شیعیت کے حوالے سے رسمیں موجود ہیں مثلاً اگر کسی عورت کا جوان بیٹا کوئی نقصان کردے تو اس کی والدہ اپنے زانوں پر ہاتھ مار کر یا حسینؑ کہتی ہے۔

اسی طرح کرک میں لڑکیاں عاشور کے دن ٹولیوں کی صورت میں گھر گھر جاتی ہیں اور کورس کے انداز میں پڑھتی ہیں کہ اے پٹھان لڑکیوں ماتم کرو کہ آج کے دن حسین علیہ السلام شہید ہوئے تھے۔

براہوی زبان ادب اور تاریخ کے ماہر "Dynnys Bray" اپنی کتاب "The life History of Brohi" جس کا اردو ترجمہ کامل القادری نے کیا ہے رقم طراز ہیں کہ یہ کتاب صرف بروہی رسوم ورواج کا مجموعہ نہیں بلکہ برصغیر کے مسلمانوں کی معاشرتی رسوم رواج کا بھی گلدستہ ہے۔

ان براہوی رسوم کا مطالعہ کرنے سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ براہیوں میں شیعیت کے بہت زیادہ اثرات ہیں۔

سرڈینس کے حوالے سے چند رسومات یہ ہیں۔

بانجھ عورت حضرت محمد مصطفیٰؐ کے حضور التجا کرتی ہے کہ اگر اس کی دلی مراد پوری ہو گئی تو وہ نومولود کو سبز لباس یا محرم میں سیاہ لباس پہنائے گی، عاشور کے روز قبرستان جانا بھی شیعی رسوم رواج کا مظہر ہے۔

براہوی بزرگ حضرات آج بھی اپنے بچپنے کی باتوں کا تذکرہ کرتے ہوئے بتاتے ہیں کہ ان کے بچپنے میں جب بھی محرم کے چاند پر نظر پڑتی تو لوگ اس مہینے کو اماموں کا مہینہ کہہ کر پکارتے تھے۔ خواتین ایام عزا میں نہ تو سر کو دھوتیں اور نہ ہی تیل کا استعمال کرتی تھیں اور نہ ہی کپڑے دھوتی تھیں۔ امام حسین علیہ السلام کے بھتیجے جناب قاسمؑ کی شادی کی رسم ادا کرتی تھیں، گھروں میں چار پائیاں یا پلنگ پر سونا ترک کر کے چار پائیاں الٹ دی جاتی تھیں۔ محرم کی 9 اور 10 تاریخ کو سب لوگ ایک مقام پر اکٹھا ہوتے تھے اور بچوں کو امام کا فقیر بناتے تھے۔ اور گھر گھر امام کے نام پر بھیک مانگی جاتی تھی۔ امام حسین علیہ السلام کا نام لیتے ہوئے ماتم کرتے تھے، بلوچی اور فارسی زبان میں نوحے پڑھتے تھے جو کچھ اس طرح تھے۔

یکے خان دوئی میر
نالہ پرکن اماما دین

خان اور میر سب جمع ہوں اور اماموں کے نام کی تھال بھر دیں۔ جب نیاز جمع ہو جاتی تو مٹی کا ایک مجسمہ بنایا جاتا جسے شمر کا نام دیا جاتا اور بعد میں اسے ذبح کر دیا جاتا۔ اس کے بعد سینہ زنی ہوتی امام حسین علیہ السلام کے نام پر نیاز تقسیم کی جاتی اور سبیل لگائی جاتی۔

یہاں پر یہ بات خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ بلوچی، براہوی اور فارسی اشعار کے علاوہ بلوچستان کے بلوچ اہل قلم نے اردو میں جس طریقے سے اور سلیقے سے محمدؐ و آل محمدؐ سے محبت و عقیدت کا اظہار کیا ہے وہ قابل توجہ ہے۔

مُلا محمد حسن براہوی اٹھارویں صدی میں بلوچستان کی ریاست قلات میں وزیر کی

حیثیت سے کام کرتے رہے وہ اردو ادب کے پہلے شاعر تھے۔ آپ فارسی، براہوی اور اردو کے قادر الکلام شاعر تھے۔ آپ کے اردو اشعار میں اہلبیت علیہ السلام سے عقیدت و محبت کا اظہار ان کی اہلبیتؑ سے وابستگی کا مظہر ہے۔ ان کا کلام چہاردہ معصومینؑ کے حوالے سے ان کے عقیدے شیعہ اثنا عشری ہونے کا بھی اظہار کرتا ہے۔ جس میں آپ حضرت محمد مصطفیٰؐ اور آپؐ کی آل سے عقیدت و محبت کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ۔

میں کام جملہ اپنا شیر خدا کو سونپا   سب مطلبات کلی بدرالدجی کو سونپا
ناموس کا نگہباں میں کر دیا ہے زہراؑ   شرم و حیا سراسر صاحب حیا کو سونپا
نام و نشاں کا مالک میرا شہ حسن ہے   یہ دونوں مطلب اپنا وہ مجتبیٰ کو سونپا
میں یاس تشنگی کا دنیا و آخرت میں   لب خشک کربلا کو، مشکل کشا کو سونپا
جائے امان اپنا سب رنج و درد و غم میں   جا کر زخوف دیکھو زین العبا کو سونپا
کار جہاں کو یکسر سونپا ہے میں یہ باقر   ہم جسم و جان و ہم سر او رہنما کو سونپا
تا جب تلک جہاں ہے جعفر کا جا اماں ہے   صد کام مشکل اپنا صبح صفا کو سونپا
وہ کہ امیر عادل مارا مرے عدو کوں   جاں میں زفکر دشمن موسے رضا کو سونپا
میں تکیہ ہما گہ جو کیا شاہ تقی نقی کو   پشت و پناہ اپنا دو اتقیا کو سونپا
دیکھو دہر میں چو عسکر، ہرگز نہیں دلاور   میں اس کے پاس جا کر کل مدعا کو سونپا
ہادی حسن کا ہو یا دیکھو امام مہدیؑ   ہر کار کو ز شادی آلِ عبا کو سونپا

ہم یہاں لالہ ہتورام کی کتاب سے دو واقعات تحریر کریں گے جس سے اندازہ ہو گا کہ بلوچ ماہ محرم کا کتنا احترام کرتے ہیں اور حضرت علی علیہ السلام سے کتنی عقیدت رکھتے ہیں۔

لالہ ہتورام ایک واقعہ میں ایک نظم کا حوالہ دیتے ہیں کہ ماہ محرم تھا، امام حسین علیہ السلام کے غم میں ماتم کے دن تھے کہ ایک جھاڑی سے ایک گرگٹ نکلا بچوں نے مارنے کے لئے اس کے پیچھے بھاگنا شروع کیا گرگٹ جان بچانے کے لئے ایک گھر میں جا پہنچا وہاں گھر کا

مالک موجود نہ تھا گھر کی نیک سیرت مالکہ باہر نکلی اور نہایت پروقار لہجے میں بچوں سے کہا کہ اسے نہ مارو بس یہ میری پناہ میں آ گیا ہے بچوں پر اس نیک سیرت عورت کی التجاؤں کا کوئی اثر نہ ہوا اور انہوں نے لاٹھیوں سے گرگٹ کو مار دیا۔عورت نے فوراً اپنے خاوند کے پاس فریاد پہنچائی اور کہا کہ اگر تم نے اس گرگٹ کے خون کا بدلہ نہ لیا تو میں تمہیں اپنا بھائی سمجھوں گی اور تم مجھے اپنی بہن سمجھنا شوہر نے یہ سنا تو کہا کہ ایسی بات نہ کرو میں تمہارا خاوند ہوں اور تم میری بیوی ہو میں گرگٹ کا بدلہ لے کر دکھاؤں گا کہ یہ زمین لالہ زار بن جائے گی۔اس نظم پر تقریباً تمام محققین نے رائے زنی کی ہے لیکن وہ اس اہم بات کو بھول گئے کہ نظم لکھنے والا اس نظم کی ابتداء اس بات سے کرتا ہے کہ یہ ماہ محرم تھا اور امام حسین علیہ السلام کے ماتم کے دن تھے۔

دوسرا واقعہ لالہ ہتورام ڈومکی قبیلے سے متعلق لکھتے ہیں کہ میر محراب خان، سہراب خان اکثر دورہ جات سرحدی پر رابرٹ سنڈیمن گورنر بلوچستان کے ہم رکاب چلتا رہا۔لیکن 1880 میں جب چند فرقہ جات مری کے باغی ہو گئے تو اس سردار نے امن قائم رکھنے کے لئے خوب مدد دی۔

اور بمثل اپنے قدیم بزرگوں اور قرابت داروں کے مذہب شیعہ کے اصولوں کو بحال رکھا کیونکہ بلوچ قدیم زمانے سے حضرت علی علیہ السلام سے عشق و محبت رکھتے تھے۔

اسی طرح میر گل خان نصیر اپنی کتاب ''بلوچ رزمیہ شاعری'' میں جام درک کی نظم نقل کرتے ہوئے اس کا ترجمہ اس طرح تحریر کرتے ہیں۔

ترجمہ:۔ خدایا مجھ پر اپنے کرم کی نظر کر میں تیری رحمتوں کا طلب گار ہوں یا شاہ مردان مجھے سرفراز کر مجھے تکالیف سے بچائے رکھ اور تندرستی دے۔

اس کے ساتھ ہی میر گل خان نصیر ملا بوہیر میرواڑی کی نظم کا ترجمہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

ترجمہ: چٹان جیسی ڈھال کو ہاتھ میں لے کر تلوار کھینچ لی اور یا علیؑ کا نعرہ لگاتا ہوا دشمن پر ٹوٹ پڑا۔

گل خان نصیر ایک اور بلوچی شاعر گودوڈوم کا ذکر کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں کہ اصل واقعہ سے قبل گودو تاریخ کی ان کڑیوں کو ملاتا ہے جن سے گذر کر انگریز اس کے وطن بلوچستان میں آئے، شاعر نے انگریز کو یزید سے تشبیہ دی ہے۔جو نہایت آسانی اور عمدگی سے ہر بلوچ کی سمجھ میں آ جاتی ہے اور اس طرح کربلا کا واقعہ نظروں میں آ جاتا ہے۔جس میں بلوچوں نے امام حسین علیہ السلام کا ساتھ دیا تھا۔جس کی وجہ سے وہ یزید کی فوج کے ظلم وستم کا نشانہ بنے اور ان کو حلب سے ہجرت کرنا پڑی۔

اس طرح شاعر بلوچوں کو یاد دلاتا ہے کہ انہیں ایک مرتبہ پھر کربلا کا سامنا ہے اس سلسلے میں اس کے ایک شعر کو دیکھئے وہ کہتا ہے کہ۔

''حالت کچھ ایسی ہوئی ہے واقعی پھر سے یزید زندہ ہو گیا ہے۔''

یہاں ہم ایک اور بلوچی شاعر کا تذکرہ کرتے ہیں جس کی خوبی یہ تھی کہ وہ صرف ایک انقلابی شاعر ہی نہ تھا بلکہ اس نے عملی طور پر بھی اپنی قوم کو دکھ درد سے نجات دلانے کے لئے اہم کردار ادا کیا تھا اِس شاعر رحم علی کے والدین بھی نہ صرف ایک انقلابی شاعر تھے بلکہ انگریزوں کے ساتھ لڑائی میں مری قبائل کے ساتھ شریک تھے۔

رحم علی مری کی ایک نظم کا ترجمہ میر گل خان نصیر کچھ اس طرح کرتے ہیں۔

ترجمہ: ہم ان انگریزوں سے خدا کے حکم سے ضرور لڑیں گے حضرت علی علیہ السلام دلدل سوار آج ہماری مدد کو آ گئے ہیں ہم انگریزوں کے سروں کو سانپ کے سروں کی طرح کاٹیں گے۔میر گل نصیر نے اپنی پوری توجہ بلوچوں کی رزمیہ شاعری کے حوالے سے ان کارناموں پر مرکوز کر رکھی ہے جو بلوچوں کی تاریخ میں شجاعت اور بہادری کے نمونوں کے طور پر دکھائے جانے کے لائق تھے، اس لئے انہوں نے ان رزمیہ نظموں میں ان ابتدائی اشعار کو اہمیت نہیں دی جن میں مختلف شعرا نے حضرت علی علیہ السلام اور حضرت امام حسین علیہ السلام کے حوالے سے اشعار کہے ہیں لیکن اس کے باوجود بھی میر گل خان نصیر کا یہ کہنا

ہے کہ واقعہ کربلا کے حوالے سے بلوچوں کی بات سمجھانا زیادہ آسان ہے اور یہ اس بات کی تائید کرتا ہے کہ بلوچ معاشرے میں شیعیت کے اثرات بہت گہرے ہیں۔ اور وہ صرف حضرت علی علیہ السلام کے مرید نہیں بلکہ وہ حضرت امام حسن علیہ السلام اور حضرت امام حسین علیہ السلام سے بھی اتنی ہی محبت کرتے ہیں کہ جو مکتبِ اہلبیتؑ کا خاصہ ہے۔

اسی طرح میر گل خان نصیر نے اپنی کتاب بلوچی عشقیہ شاعری میں راحت خان جلبانی کے اشعار بھی نقل کئے ہیں۔ ایک شعر ملاحظہ فرمائیں۔

وہ خود کو تیغ چڑھاتی (ذوالفقار) کی طرح
مسان چڑھائی (سنگھار) کرتی ہے

علی علیہ السلام کی تلوار کی طرح کسی عورت کا سنگھار کرنا قابل غور ہے۔

حبیب کلاتی کی نظم رنداحوال کا آغاز یوں ہوتا ہے۔

حضرت آخر الزمانؐ اور اللہ کا نام یاد کرو ستارہ سحری کے نمودار ہوتے ہی حیدرؓ میرے پشت پناہ اور پیغمبر آخر الزمانؐ بھی۔

بلوچی زبان کا مجذوب شاعر توکلی مست بلوچوں کے نامور قبیلے مری سے تعلق رکھتا ہے توکلی مست مری علاقے کے مرکزی قصبے کاہان کے شمال مغربی جانب ماترک بند نامی ایک چھوٹی سی بستی میں پیدا ہوا اہلبیتؑ کی محبت کے حوالے سے توکلی مست کے کلام میں بہت سے اشعار ملتے ہیں۔ منقبت کے یہ اشعار کسی معاشرتی اختلاط کا نتیجہ نہیں ہیں کیونکہ مست بلوچستان کے ایک دور دراز علاقے مری کا باشندہ تھا جو شیعہ مراکز تعلیم سے نہ صرف بہت دور واقع تھا بلکہ اسے رسمی تعلیم کے مواقع بھی میسر نہ تھے۔ مست کے یہ اشعار اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ بلوچ نسلاً در نسلاً شیعہ تھے۔ وگرنہ تعلیم سے دور کوئی شخص عقیدے کے تعلق کے علاوہ یہ اشعار نہیں کہہ سکتا۔ میر مٹھا خان مری نے اپنی کتاب ''سمو بیلی مست'' میں مست توکلی کی نظموں پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ مست ہر قسم کی دراز دستی ظلم بے

انصافی کے خلاف شدید جذبات رکھتے تھے اور وہ اپنے اشعار میں یزیدیت کے خلاف حسینیتؑ کی حمایت میں یوں نعرہ بلند کرتے ہیں کہ۔

حسین علیہ السلام کے قاتلوں کے خلاف ہماری جنگ جاری رہے گی۔
میں امامؑ کی جماعت کا حامی اور مددگار رہوں۔

امام حسین علیہ السلام کے قاتلوں کے خلاف جنگ اور آپؑ کی حمایت کا اعلان غدیر کی یاد دلاتا ہے کہ جب غدیر خم کے مقام پر رسول اللہؐ نے فرمایا تھا کہ ''جس کا میں مولاً ہوں اس کے علیؑ بھی مولاً ہیں اے پروردگار علیؑ کے دوستوں کو دوست رکھ اور علیؑ کے دشمنوں کو دشمن رکھ جو کوئی علیؑ کی مدد کرے تو بھی اس کی مدد کر اور جو علیؑ کو چھوڑ دے تو بھی اُس کو چھوڑ دے۔

اس طرح مست توکلی کی ایک اور نظم کا ترجمہ میر مٹھا خان مری نے یہ کیا ہے۔

آؤ اس جھوٹی دنیا کو تج دیں
ہمیں اللہ اور علیؑ صدا یاد ہیں
دوست اور دشمن پشت پر باتیں بناتے ہیں

مست توکلی کی دیگر اور نظموں کو ہم اگلے صفحات پر نظموں کے لئے مختص جگہ میں تحریر کریں گے۔

میر مٹھا خان مری لکھتے ہیں کہ مست توکلی کو آنحضرت حضرت محمد مصطفیؐ سے اور آپؐ کے اہلبیتؑ سے بے انتہا عقیدت اور محبت تھی۔ وہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی بے مثال قربانی اور ایثار کے بہت مداح تھے اس لئے وہ اللہ کی راہ میں جان و مال کی قربانی دینے کو سب سے افضل عبادت قرار دیتے ہیں۔

مست توکلی کہتے ہیں بی بی فاطمہ زہرا علیہ السلام کے فرزندوں نے امت کو قربانی کی راہ دکھائی ہے۔

اہل درد کو بارگاہ الٰہی سے فتح و کامرانی نصیب ہوتی ہے۔
مست کا بیڑہ بھی پار ہوگا فقط پانسہ پلٹنے کی دیر ہے۔
آپ معرفت اہلبیتؑ دیکھیں ایک جگہ پر کہتے ہیں۔
امام حسین علیہ السلام کے قاتلوں کے خلاف ہماری جنگ جاری ہے۔
مست بی بی فاطمہ علیہ السلام کے معصوم فرزندوں کے ہمرکاب ہے۔
شاہ (امام حسین علیہ السلام) کی متاع عزیز (ھو) کی تیغ جو ہر دار کے روشن اور طلائی ریش مبارک کے نثار جایئے۔

شاہ تیرے ابرو دو خوشنما پھول ہیں
تیری دستار فضیلت میں مشک کی خوشبو بھی ہے۔
ان کے دستار کے خم و پیچ میں ایک امر کا سا پیچ و تاب ہے۔
(امر ایک خوبصورت بوٹا ہے جو پہاڑوں کی چٹانوں پر ہوتا ہے۔)
میں تیرے سر پر پھولوں سے تیار شدہ سہرا اٹھا رکھوں گا۔

تا کہ یزید کے کٹار کا وار روک لوں اب آپ دیکھئے کہ سنگلاخ چٹانوں اور ویران میدانوں کا رہائشی جس کے پاس نہ کوئی کتاب ہے نہ قلم ہے اور نہ کاغذ ہے لیکن اس کا دل ایسی ہستیوں کے نور سے منور ہے کہ اسے اپنا محبوب سامنے نظر آ رہا ہے اور وہ منظر کشی کر رہا ہے جسے وقت نے اپنے دامن میں محفوظ کر کے ہمیشہ کے لئے امر بنا دیا۔

مست توکلی سے زیب مگسی تک بلوچستان کے تمام شعرا نے اہلبیت علیہ السلام کی مدح میں بلوچی، براہوی اور فارسی میں ہزاروں اشعار کہے ہیں۔ بلوچستان میں فارسی زبان کے بہت ہی مشہور شاعر جناب نواب گل محمد خان زیب مگسی کے نام نامی سے کون واقف نہیں ہے۔ آپ بلوچستان اور سندھ میں آباد مگسی قبیلے کے سردار تھے۔ زیب مگسی 1883 میں سردار قیصر خان مگسی کے ہاں پیدا ہوئے۔ آپ کی شاعری کے دو مجموعے ''نج گلدستہ زیب

اور حرمت اشعار 1936 میں نولکشور پریس لکھنو سے زیور طباعت سے آراستہ ہوئے۔ جو آپ نے سیدالشہدا حضرت امام حسین علیہ السلام اور امیر المومنین حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی مدح میں تحریر کئے اور فارسی میں جو اشعار کہے ہیں ان کو بھی ہم نظموں سے متعلق مختص جگہ پر درج کریں گے۔

جناب زیب مگسی نے اپنے اشعار میں محمدؐ و آل محمدؐ سے جو اظہار عقیدت و مودت کیا ہے۔ وہ اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ بلوچ معاشرے میں علی علیہ السلام سے محبت کی جڑیں بلوچ قوم کے وجود میں آنے کے وقت سے ہی پیوستہ ہیں۔

''خزینۃ اشعار'' زیب مگسی کے کلام کا مجموعہ ہے خان خانان بیرم خان کی غزل کا ایک حصہ حضرت علی علیہ السلام سے محبت کے حوالے سے بہت اہم ہے۔

زیب مگسی نے ان اشعار کو بیرم خان سے منسوب کیا ہے لیکن بعض محققین ان اشعار کو ہمایوں سے منسوب کرتے ہیں۔

(یہ اشعار بھی نظموں سے مختص جگہ پر درج کئے جائیں گے۔)

جب آپ ان اشعار پر غور کریں گے تو آپ دیکھیں گے کہ علی علیہ السلام کی شان میں کہے گئے ان اشعار کے پیچھے کتنا عظیم عقیدہ اور جذبہ موجود ہے۔ اور ایک بلوچ سردار اپنے کلام میں کس طرح علی علیہ السلام کے مرید ہونے کو ثابت کر رہا ہے۔ یقیناً بلوچوں کا یہ دعویٰ کہ وہ علی علیہ السلام کے مرید اور کربلا میں یزیدیوں کے خلاف جنگ کرنے والوں میں سے ہیں سو فی صد درست ہے۔

براہوی زبان و ادب کے نامور ادیب اور محقق جناب ڈاکٹر عبدالرزاق صابر کہتے ہیں کہ بلوچی اور براہوی اشعار کے علاوہ براہویوں کے ہاں ایسی رسمیں موجود ہیں جن سے مکمل طور پر شیعیت آشکار ہے۔ لیکن بلوچوں کے پاس کتابی شکل میں شیعیت سے متعلق معلومات نہ ہونے کے باعث اور دوسرے مکاتب فکر کے مدارس کی تبلیغ کے سبب بہت سی

رسومات ختم ہوگئی ہیں کچھ میں تبدیلیاں واقع ہوگئی ہیں لیکن بزرگوں کی معلومات کی وجہ سے کچھ رسومات اب بھی باقی ہیں ۔ جناب ڈاکٹر عبدالرزاق صابر کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ وہ تحقیق کے سلسلے میں مستونگ کے مختلف دیہاتوں کے بزرگوں سے گفتگو کررہے تھے تو ایک بزرگ نے انہیں بتایا کہ جب وہ چھوٹے تھے تو عاشور کے دن گاؤں کے تمام افراد یاحسینؑ یاحسینؑ کہتے ہوئے اور سینہ زنی کرتے ہوئے گاؤں سے باہر ایک مخصوص مقام تک جاتے اور باقاعدہ ماتم کرتے تھے ڈاکٹر صابر کے مطابق اس ہی طرح کسی عام شخص کی وفات پر بھی براہیوں میں سینہ کوبی کی رسم موجود ہے اس کے علاوہ تمام براہوی محرم کے مہینے کو اماموں کا مہینہ کہتے ہیں ۔

ڈاکٹر عبدالرزاق کے مطابق آج سے چالیس سال پہلے تک ضلع چاغی میں محرم کے جلوس نکالے جاتے تھے ۔ جس میں تمام افراد ماتم کرتے ہوئے گاؤں کے مختلف گھروں سے ہوتے ہوئے گاؤں کے باہر ایک مخصوص مقام تک جاتے جہاں وہ آخری ماتم کرتے ہوئے نوحہ خوانی کرتے ۔

لیکن جیسا کہ میں نے پہلے بھی تحریر کیا کہ باقاعدہ ایک منصوبہ بندی کے تحت مدارس اور تبلیغ کے ذریعے بلوچ قوم کی کتابی صورت میں سیاسی اور مذہبی تاریخ نہ ہونے کے سبب سیدھے سادھے بلوچوں کو سازش کا شکار بنایا گیا ۔

ماہنامہ بلوچی کے مدیر جناب عبدالواحد بندیگ اپنے گاؤں سخی صاحبزادہ (نوشکی) کے حوالے سے بتاتے ہیں کہ ان کے گاؤں میں بھی محرم کے مہینے میں عزاداری ہوتی تھی ۔ جس کی وجہ سے محرم کے مہینے کو ''یاحسینی'' کہتے ہیں بندیگ کہتے ہیں کہ محرم کے مہینے میں گاؤں کی 30-40 لڑکیاں اکٹھی جمع ہوکر گھر گھر جاتیں اور ایک برتن جسے ''سیر'' کہتے ہیں گندم جمع کرتیں جس کے بعد یہ تمام گندم گاؤں کے ایک سید کے گھر لے آتیں اور پھر عاشور کے دن سیدانیاں یہ گندم ابال کر گاؤں میں تقسیم کرتیں ۔ اسے حسینی کول یا کوئل کہا جاتا تھا ۔ ماہ محرم کے پہلے عشرہ

کے علاوہ ماہ صفر میں بھی کوئل تقسیم کیا جاتا تھا ۔ جسے صغریٰ کول کہا جاتا ہے ۔

بندیگ صاحب کہتے ہیں کہ کندھ کوٹ کے سردار خادم حسین خان جتوئی کے والد سردار فتح خان جتوئی کا تعلق شیعہ عقائد سے تھا ۔ سردار فتح خان جتوئی ہر سال اپنے اہل خانہ کے ہمراہ نجف اشرف ، کربلائے معلیٰ اور مشہد مقدس جاتے تھے اور ان کی وصیت تھی کہ انہیں نجف اشرف میں دفن کیا جائے ۔

ڈاکٹر عبدالرزاق صابر کے مطابق اس صدی کے اوائل میں ڈھاڈر کے مکتبہ درخانی نے جو کتابیں شائع کیں ان میں مولوی محمد ہاشم کی بلوچی زبان میں لکھی گئی ایک کتاب ''ردشیعہ'' بھی تھی ۔ اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ بلوچوں میں شیعیت کے اثرات کم کرنے کی خاطر اس کتاب کی ضرورت محسوس کی گئی ہوگی ۔

ڈاکٹر عبدالرزاق صابر کی یہ بات ہماری اس بات کی تائید کرتی ہے کہ بلوچستان میں بلوچوں میں شیعیت کے اثرات کو کم کرنے پر کروڑوں نہیں اربوں ڈالر اور ریال خرچ کئے گئے جو کہ سینکڑوں مدارس کے قیام کرنے میں خرچ ہوئے ۔

لیکن اب بلوچی قوم بھی کتابی شکل میں اپنے آباؤ اجداد کی اس درخشاں ماضی اور عقیدے سے واقف ہوگی کہ جو ایک اعلیٰ شجرہ نسب اور محمدؐ و آل محمدؐ سے عقیدت و محبت کا حامل ہے ۔ اور پھر بلوچ قوم کو میدان کربلا میں امام حسین علیہ السلام کی مدد کرنے کا وہ اعزاز حاصل ہے کہ جس نے اس قوم کی بلند کرداری حق گوئی اور ظلم کے خلاف مظلوم کی مدد کرنے کی صورت میں چار چاند لگا دیئے ۔

بلوچستان میں شیعیت کے گہرے اثرات کی نشانی آج بھی دشت میں مروکا وہ مقام موجود ہے کہ جہاں گاؤں کے افراد گندم اور دالیں نیاز کے طور پر اکٹھا کرکے ماتم کے لئے جمع ہوتے اور امام حسین علیہ السلام کی مظلومیت کا تذکرہ کرتے ہیں ۔

اس طرح جھالاوان اور ساراوان میں سادات اپنے بلوچ مریدوں سے سال میں

ایک مرتبہ ''اورتھل اورڈھل'' کے نام سے حق سادات کا نذرانہ وصول کرتے تھے۔ جسے شرعی زبان میں خمس کہا جاتا ہے اور جس کا قرآن کریم میں تذکرہ موجود ہے۔اس طرح بلوچستان میں کچھ عرصہ پہلے تک مخصوص چار دیواری کے اندر علم نظر آتے تھے جنہیں شاہ مرداں کہا جاتا تھا۔اور لوگ وہاں جا کر منتیں مانتے تھے۔

بلوچوں میں عاشور کے دن گندم، جو اور دالوں کی نیاز بھی ایک شیعہ روایت ہے اس نیاز کو آج کی زبان میں حلیم یا کھچڑا کہا جاتا ہے جب کہ ایران، افغانستان اور کوئٹہ میں اسے شلہ کہا جاتا ہے۔

دراصل یہ رسم اس واقعے کی یاد میں انجام دی جاتی ہے کہ جب روز عاشور امام حسین علیہ السلام اور ان کے ساتھی جام شہادت نوش کر چکے اور خیام حسینی کو آگ لگا کر امام زین العابدین علیہ السلام اور رسول زادیوں کو قیدی بنالیا گیا تو یزید فوج کا سردار حُر جو کہ شب عاشور لشکر یزید کو چھوڑ کر امام حسین علیہ السلام کے لشکر میں آ گیا تھا اور اس نے بھی روز عاشور میدان کربلا میں امام حسین علیہ السلام کے ساتھیوں کے ہمراہ جام شہادت نوش کیا تھا اس کی بیوی اس المناک سانحے کے بعد یزیدی فوج کے سربراہ عمر ابن سعد کے پاس گئی اور کہا کہ اے عمر سعد تم نے آل رسولؐ پر جو ظلم کرنا تھا کر چکے اب مجھے اتنی اجازت تو دو کہ میں رسولؐ اللہ کے گھرانے کی بیبیوں، ان کی ہمراہیوں اور معصوم بچوں کو کہ جو تین دن سے بھوکے اور پیاسے ہیں کچھ کھانا اور پانی پہنچادوں اس کے بعد حضرت حُر علیہ السلام کی بیوی عرب کے دستور کے مطابق گندم، جو اور دالوں سے تیار کردہ سوگواری کا کھانا لے کر غمزدہ اسیروں کے پاس آئیں تب سے امام حسین علیہ السلام کی یاد میں روز عاشور دن بھر بھوکے اور پیاسے رہ کر عصر کے کے بعد گندم جو اور دالوں سے بنے ہوئے کھانے سے فاقہ شکنی کی جاتی ہے۔

آج بھی گوادر سے جیونی جاتے ہوئے پشکان سے پہلے ایک سرسبز و شاداب وادی ہے جہاں ایک بزرگ کا مزار ہے۔ یہ جگہ نگور شریف کہلاتی ہے آج بھی ان بزرگ کے

مریدوں اور عقیدت مندوں کی بڑی تعداد وہاں رہتی ہے اس مزار پر پنجے اور علم ایک خاص شیعہ انداز میں نصب ہیں، پنجہ پنجتن پاک یعنی حضرت محمد مصطفیؐ، حضرت علی علیہ السلام، جناب فاطمہ زہرا علیہ السلام، امام حسن علیہ السلام اور امام حسین علیہ السلام کے نام اور علم حضرت عباس علیہ السلام کی نشانی ہے۔

اس طرح گوادر کے قریب بھی غریب شاہ کے مزار پر علم اور پنجے نصب ہیں، جو کہ ان بزرگوں کے مکتبِ اہلبیتؑ سے وابستہ ہونے کی عکاسی کرتے ہیں۔

خان آف قلات میر احمد خان مرحوم کے صاحبزادے شہزادہ موسیٰ جان کو وراثت میں بارہویں صدی کا ایک ایسا علم ملا جس کے اوپر ایک پنجہ نصب ہے جس کے ایک جانب نادِ علیؑ اور دوسری جانب پنجتن پاک علیہ السلام کے اسمائے گرامی تحریر ہیں جس کے بارے میں روایت ہے کہ یہ خان آف قلات کے لشکر کا علم ہے۔

بلوچوں میں ''منجر'' کے نام سے حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی نذر بھی دی جاتی ہے۔ جس کا ملیدہ بنایا جاتا ہے۔ پھر اس سے سات لڈو تیار کر کے گھر گھر پھرایا جاتا ہے۔ جسے منت ماننی ہو وہ اتنے ہی لڈو اٹھا لیتا ہے اور منت پوری ہونے کے بعد اس ہی طرح سات لڈو بنا کر منت بڑھاتا ہے۔ کوئٹہ کے شیعہ حضرات کے یہاں بھی یہ منتی نذر دی جاتی ہے اسے میگالی کہا جاتا ہے۔

بیسویں صدی کی ابتدا میں مرتب کئے گئے ڈسٹرکٹ گزیٹر 192 کا مطالعہ کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ ماہ محرم کو مقامی لوگ ''حسنؑ حسینؑ'' کا مہینہ کہتے ہیں۔

یوں تو آج بھی بلوچستان میں بہت سے بلوچ قبائل میں شیعیت موجود ہے لیکن جیسا کہ پہلے بھی تحریر کیا گیا کہ بلوچوں کی کتابی شکل میں تاریخ نہ ہونے کی وجہ سے ان میں سے کچھ پر سنی اثرات بھی مرتب ہوئے مثلاً نماز ہاتھ باندھ کر پڑھنا یا روزہ سنی افراد کے وقت پر کھولنا۔

ڈاکٹر کہور خان نے عنایت بلوچ کے حوالے سے اس بات کی تائید کی ہے کہ نہ صرف

مدارس کے ذریعے بلوچ نوجوانوں کو دیو بندی مسلک کا پیروکار بنایا گیا بلکہ بلوچستان سے کچھ نوجوانوں کو ہندوستان میں قائم مدرسہ دیو بند میں بھی تعلیم کے لئے بھیجا گیا۔

اس حوالے سے ڈاکٹر انعام الحق کوثر کی کتاب تذکرہ صوفیائے بلوچستان میں بہت سی قابل ذکر معلومات ملتی ہیں۔

ڈاکٹر کوثر مولوی محمد صدیق نقشبندی مستونگی کے بارے میں لکھتے ہیں کہ مستونگ میں مولوی محمد صدیق نے بہت زیادہ تبلیغ کیں۔جس کی وجہ سے وہاں پر جاری رسومات بند ہوئیں۔

اس سے یہ بات تو مصدقہ ہے کہ اس صدی کے اوائل تک بلوچستان میں شیعیت کے بہت گہرے اثرات تھے جو کہ صرف نذر و نیاز اور دیگر رسومات تک محدود نہیں تھے بلکہ امام بارگاہ میں ماتم نوحہ خوانی جیسی تمام روایات پر یہ لوگ عمل کرتے تھے۔

میر رحیم داد شہوانی اپنی کتاب تاریخ قلات میں مذاہب کے عنوان سے بلوچستان میں مختلف مذاہب کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہوئے کہ چشتی، نقشبندی، سہروردی، بخاری، گیلانی، قادریہ اور رضاحیہ تحریکوں کے اثرات کے ساتھ ساتھ حنفی فقہ کو بلوچستان میں رائج کرنے کے لئے بہت کام ہوا ہے۔

مذہب کے حوالے سے تاریخ فرشتہ کا مصنف لکھتا ہے کہ ملتان میں شیعہ فرقہ کی بنیاد میر چاکر خان کے بیٹے شاہداد نے ڈالی اور سندھ میں مالکانی قبیلہ کے علاوہ تمام قبیلے مکتب اہلبیتؑ کے پیروکار رہیں۔

ڈاکٹر نور محمد جنہوں نے ایران سے پی ایچ ڈی کی ان کا کہنا ہے کہ ژوب لورالائی اور پشتون علاقوں کی بہت سی قدیم مسجدوں میں انہوں نے پنج تن علیہ السلام کے نام دیکھے۔لیکن وہ لوگ اپنے بزرگوں کی تاریخ سے ناواقفیت کی وجہ سے اپنے بزرگوں کے عقائد پر باقی نہ رہ سکے۔

بلوچستان میں شیعیت کی تاریخ کے حوالے سے سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ملتان میں شیعیت کی بنیاد کا تذکرہ ہو یا سندھ میں آباد بلوچ قبائل کا۔موجود ہونا بلوچستان میں میر نصیر خان نوری کا دور حکومت ہو یا ڈومکی، مری اور بگٹی قبائل کی روائتیں۔جام درک اور مست توکلی کی شاعری ہو یا ملا بہادر میرواڑی کی نظمیں تحفۃ النصیر کا نسب نامہ ہو یا قاضی نور محمد گنجابوی کا جنگ نامہ یا مکتب درخانی ڈھاڈر کی ردِّ شیعہ کے عنوان سے لکھی ہوئی کتاب ہو مولانا محمد صدیق مستونگی کی اصلاحات کی مہم ہو یا جسٹس خدا بخش مری کی لکھی ہوئی تاریخ ہو یا آغا نصیر خان احمد زئی کی تحقیق، یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ بلوچ چاہے ان میں سے کچھ حوادث زمانہ سے یا کچھ اپنی تاریخ سے ناواقف ہونے کی وجہ سے اپنے آباؤ اجداد کے مسلک پر قائم نہ رہ سکے، لیکن بقول جسٹس مری ان کا فطری جھکاؤ شیعیت کی جانب ہے۔

بلوچستان میں بلوچوں کے علاوہ شیعیت کے حوالے سے ایک بڑی واضح آبادی ہمیں پھر انیسویں صدی کے آخر اور بیسویں صدی کے شروع میں نظر آتی ہے اور یہ افغانستان سے آئی ہوئی شیعہ آبادی ہے۔جو امیر عبدالرحمان کے دور میں کوئٹہ میں آباد ہوئی ان میں قندھار کے فارسی بانوں (قزلباش) کے علاوہ ہزارہ جات کے قبائل بھی تھے۔البتہ ان کے ساتھ ساتھ انگریزوں کے ساتھ آنے والے ہندوستان کے مختلف علاقوں کے افراد بھی تھے۔جو مسلک کے حوالے سے شیعہ تھے، افغانستان سے آنے والے قندھاریوں میں پڑھے لکھوں اور ہنرمندوں کی ایک اچھی خاصی تعداد تھی جو کہ نہ صرف دینی احکام کے پابند تھے۔بلکہ علم دین سے بھی بہرہ مند ہونے کے ساتھ ساتھ عزاداری کے طور طریقوں سے بھی واقف تھے افغانستان کے گھٹن کے ماحول سے نکلنے کے بعد انگریزوں کے علاقے میں جب انہیں مذہبی آزادی کا احساس ہوا تو انہوں نے فوراً ہی عزاداری شروع کردی بعد میں اس قافلے میں ہزارہ، پنجابی، گلگتی، بلتی، طوری، بنگش اور اردو بولنے والے ہندوستانی بھی شامل ہو گئے۔

بلوچوں کی تاریخ مرتب کرنے میں ہم نے جن مورخین کی کتابوں سے استفادہ حاصل کیا ہے۔ ذیل میں ان میں سے چند کا مختصر تعارف ان کی ان مزید تحریروں کے ساتھ درج کررہے ہیں جو کہ پچھلے صفحات میں تحریر نہیں ہیں۔

''پٹھان اور بلوچ''

مصنف ایڈورڈ ڈی آلیور

مغربی محقق ایڈورڈ ڈی آلیور کی کتاب پٹھان اور بلوچ کا ترجمہ پروفیسر ایم انور رومان نے کیا جو کہ جونسا ٹریڈرز پٹیل روڈ کوئٹہ سے 1982 میں شائع ہوئی۔

اس کتاب میں مصنف نے سانحہ کربلا کے موقع پر بلوچوں کا بلوچ روایت کے مطابق امام حسین علیہ السلام کا ساتھ دینے کو ان کی شام کے علاقے حلب سے نقل مکانی کا ذکر کرتے ہوئے لکھا کہ بلوچ ایران کے علاقے کرمان اور ستیان سے ہوتے ہوئے موجودہ بلوچستان پہنچے اور بلوچ شاعروں نے ان واقعات کو قلم بند کیا۔

''دی ٹائیگرز آف بلوچستان''

مصنفہ سلویا میتھیسن

دی ٹائیگرز آف بلوچستان کی مصنفہ سلویا میتھیسن طویل عرصہ تک بلوچستان کے علاقے ڈیرہ بگٹی میں مقیم رہیں، انہوں نے اپنے مشاہدات کو 1967 میں قلمبند کیا۔ وہ بگٹیوں کے واقعات کو بیان کرتے ہوئے اپنی کتاب کے صفحہ 7 اور 8 پر تحریر فرماتی ہیں کہ بلوچوں کی جو روایتیں منظوم نظموں کی صورت میں ہم تک پہنچی ہیں ان کے مطابق بلوچ قوم جو رسول اکرمؐ کی ولادت سے قبل سے حلب کے گردونواح کی پہاڑیوں میں مقیم تھے۔ واقعہ کربلا میں یزید کے خلاف امام حسین علیہ السلام کا ساتھ دینے کی وجہ سے کرمان سے ہوتے ہوئے بلوچستان پہنچے۔

''تاریخ بلوچستان''

مصنف رائے بہادر لالہ ہتورام

رائے بہادر لالہ ہتورام کی یہ کتاب تاریخ بلوچستان کے حوالے سے اہم ترین تاریخی کتاب ہے جس کی پہلی اشاعت 1907 میں ہوئی۔ اس کتاب کے 1994 کے دوسرے ایڈیشن میں جو نیاز احمد نے زاہد بشیر پرنٹرز لاہور سے چھپوا کر سنگ میل پبلی کیشنز لاہور سے شائع کیا۔ اس کے باب اوّل میں لالہ ہتورام نے بلوچوں کی ابتدائی تاریخ اور ہجرت کے حوالے سے صفحہ 66 اور 67 پر لکھا ہے۔

یوں تو عام طور پر صحرا اور دامن کوہستان میں خانہ بدوشوں کی زندگی گزارنے والوں کو بلوچ کہا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ مختلف حسب ونسب رکھنے والی تمام قومیں بلوچ کہلاتی ہیں جبکہ براہوی، ناروئی، دیہوار، نوشیروانی اور لگی بھی بلوچ کہلاتے ہیں جب کہ ان کا حسب نامہ رند اور لاشاری سے الگ ہے۔

رائے لال بہادر ہتورام جنہیں ایک صدی قبل انگریز پولیٹیکل ایجنٹ کے ساتھ بلوچستان کے اندرونی مضافات جانے کا موقع ملا رند اور ڈومکی سرداروں کے متعلق لکھتے ہیں کہ وہ آج بھی فقہ جعفریہ پر سختی سے کاربند ہیں اور آج بھی سبی اور نصیر آباد میں بلوچوں کی بڑی آبادیاں فقہ اہلبیتؑ پر کاربند ہیں۔

''ان سائیڈ بلوچستان اور مختصر تاریخ بلوچ وخوانین بلوچ''

مصنف میر احمد یار خان

میر احمد یار خان کی شخصیت کسی تعارف کا محتاج نہیں آپ آخری ریاست قلات کے خان آف قلات ہیں اور آپ سے بلوچستان کا رہنے والا ہر شخص واقف ہے۔ آپ نے اپنی کتاب ان سائیڈ بلوچستان میں بلوچوں کی تاریخ کے حوالے سے لکھا ہے کہ:

بلوچ حضرت ابراہیمؑ کی اولاد میں سے ہیں جب کہ ایک نظم میں یہ بتایا گیا ہے کہ میر چاکرؒخان کا بیٹا میر شاہ داد حضرت علیؑ کے سائے (دُعا) سے پیدا ہوا تھا اور شاہ داد کے معنی شاہ کی عنایت بتایا گیا ہے اور شاہ سے مراد حضرت علیؑ کو بتایا گیا ہے کہ اس کے علاوہ بہت ساری نظموں میں بلوچ اپنے آپ کو آنحضرتؐ کے چچا حضرت حمزہؓ سید الشہدا کی اولاد قرار دیتے ہیں اور ایک نظم میں اپنے آپ کو ان پانچ بہادر بھائیوں سے منسوب کرتے ہیں جو میدانِ کربلا میں امام حسینؓ کی خدمت میں یزیدی فوج کے خلاف لڑنے کی اجازت لینے آئے تھے اسی طرح ایک نظم کے مطابق رسولؐ اکرم کے پانچ ذاتی محافظ بلوچ تھے (ان سائیڈ بلوچستان) خان آف قلات میر احمد یار خاں صاحب اپنی ایک اور ''مختصر تاریخ بلوچ وخوانین بلوچ'' میں تحریر فرماتے ہیں کہ ''بلوچوں کا قدیم مسکن حلب وشام ہے بلوچوں کا تیسرا طائفہ جو حلب کے مضافات سے محدود تعداد میں بودوباش رکھے ہوئے تھا۔ معرکہ کربلا میں اہلبیتؓ کی حمایت کرنے کے سبب اموی حاکموں کے غیض وغضب کا نشانہ بنا اور نوشیرواں کی طرح اموی حاکموں نے بلوچوں کو صفحۂ ہستی سے مٹا دینے کا حکم دیا کشت وخون کی گرم بازاری میں حلب کے یہ باقی ماندہ بلوچ بھی ہجرت پر مجبور ہوگئے کچھ تو عرب میں منتشر ہوگئے مگر ایک کثیر تعداد اپنے بھائیوں کے نقش قدم پر چلی اور فارس کے راستے جو نسبتاً پر امن تھے یہ لوگ انہی راستوں پر چلتے ہوئے بلوچستان پہنچے۔ (مختصر تاریخ بلوچ وخوانین بلوچ صفحہ ۳۱ تا ۳۲)

''سرزمین بلوچستان''

مصنف رحیم داد شاہوانی (مولائی شیدائی)

میر رحیم داد شاہوانی جو مولائی شیدائی کے نام سے معروف ہیں اپنی مشہور زمانہ کتاب سر زمین بلوچ میں بلوچ قوم کی تاریخ اور عقیدے کے حوالے سے صفحہ 144 پر تحریر کرتے ہیں کہ میدان کربلا میں امام حسین علیہ السلام کے خیام کی نگہبانی پر جو لوگ متعین تھے وہ بلوچ تھے۔

جن میں جناب حبیب ابن مظاہرؓ کے بارے میں طبری نے لکھا کہ وہ بلوچ تھے۔ مگر یہ نہیں معلوم کہ وہ حضرت امیر حمزہ علیہ السلام کی اولاد تھے مگر اتنا علم ہے کہ حبیب ابن مظاہر اسدی کی شہادت کے بعد امام حسین علیہ السلام نے فرمایا کہ میرا ایک قوی بازو ٹوٹ گیا۔ مولائی شیدائی اپنی اس کتاب میں تحریر کرتے ہیں کہ جب سنان ابن انس نے اس سر اقدس کو کہ جو بوسہ گاہ رسول اکرمؐ تھا آپؑ کے مقدس بدن سے کاٹا تو زمین کانپ اٹھی اور آفتاب ہدایت ہمیشہ کے لئے روپوش ہوگیا۔ پانی کی روانی رُک گئی۔ آسمان سے خون برسنے لگا اور زمین سے خون کے چشمے اُبل پڑے پھر اسی کتاب میں آگے چل کر رحیم داد شاہوانی واقعہ کربلا میں بلوچ قوم کی امام حسین علیہ السلام سے وفاداری کو ہی بلوچ قوم کی حلب سے نقل مکانی کا سبب قرار دیتے ہیں۔

''تاریخ بلوچستان''

مصنف ملک محمد سعید دھوار

ملک محمد سعید دھوار بلوچستان کی معروف سیاسی اور سماجی شخصیت ہیں۔ کئی کتابوں کے مصنف ہیں لیکن ان کی کتابوں میں سب سے مشہور کتاب تاریخ بلوچستان ہے جو تاریخ کے طالب علموں کے بارے میں سند کی حیثیت رکھتی ہے ان کی یہ کتاب ۱۹۹۰ میں نساء ٹریڈرز پٹیل روڈ کوئٹہ سے شائع ہوئی اس کتاب کے دوسرے باب کے صفحہ 65 پر بلوچوں کی تاریخ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ عہد وسطیٰ کے عرب مورخین نے بلوچوں کے عربی النسل ہونے کی جانب اشارہ کیا ہے اس کے علاوہ بلوچوں کی روایات یہی بتاتی ہیں کہ ان کی اصلیت عرب ہے۔ اس سلسلے میں مصنف نے چند لوک گیتوں اور نظموں کا حوالہ دیا ہے وہ ہم پچھلے صفحات پر درج کر چکے ہیں۔

محمد سعید دھوار کتاب کے صفحہ 74 پر ایک اور انکشاف بھی کرتے ہیں کہ آج بھی سعودی عرب کے علاوہ مراکو اور لیبیا میں ایسے قبیلے موجود ہیں جو خود کو البلوش کہلاتے ہیں خیال ہے کہ

کرمان سے بلوچوں کی نقل مکانی مشرق اور مغرب دونوں جانب ہوئی ہے۔

کویت میں آج بھی البوش یا بلوش نام کے قبائل آباد ہیں۔ کویت کے علاوہ بحرین، عمان، قطر اور متحدہ عرب امارات میں بھی البلوش یا بلوشی کافی تعداد میں آباد ہیں۔ یہ دراصل بلوچ ہی ہیں کیونکہ عربی میں 'چ' کا حرف نہیں آتا۔ اس لئے یہ 'ش' کا حرف استعمال کرتے ہیں۔ یہاں یہ بات خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ عرب ریاستوں میں رہنے والے قبیلے البلوش یا بلوشی کے افراد کا تعلق بھی مذہب اہلبیتؑ سے ہے اس سلسلے میں کویت میں کچھ عرصہ رہائش پذیر جناب فہیم عباس جعفر جو کہ کئی کتابوں کے مصنف ہیں جس میں انہوں نے بلوچوں کی تاریخ پر ایک کتاب بھی لکھی ہے بتاتے ہیں کہ ایک مرتبہ کویت میں رہائش پذیر ایک کویتی شہری سے ان کا تعارف ہوا تو اس شخص نے فہیم عباس صاحب سے ان کی شہریت پوچھی انہوں نے کہا کہ میں پاکستانی ہوں یہ سن کر اس نے کہا کہ پاکستان کے کس شہر سے تعلق ہے انہوں نے بتایا کوئٹہ سے پھر اس نے کہا کہ کوئٹہ کہاں ہے تو فہیم عباس صاحب نے کہا کہ کوئٹہ صوبہ بلوچستان میں ہے۔ تو اس نے فوراً خوشی کا اظہار کرتے ہوئے پوچھا کہ ''انت شیعی''، یعنی کیا آپ شیعہ ہیں کیونکہ وہ خود بھی بلوش (بلوچ) یعنی شیعہ تھا۔ وہ یہ سمجھ رہا تھا کہ بلوچستان کے رہنے والے سب شیعہ ہوں گے اس نے بتایا کہ یہاں کویت میں تمام بلوشی یعنی (بلوچ) شیعہ ہیں۔

''بلوچستان تاریخ کے آئینے میں''

مصنف جسٹس میر خدا بخش مری

جسٹس میر خدا بخش مری بلوچستان کی معروف علمی سیاسی شخصیت اور ماہر قانون ہیں۔ آپ چیف جسٹس ہائی کورٹ بلوچستان رہ چکے ہیں۔ آپ کی کتاب بلوچستان تاریخ کے آئینے میں بلوچوں کی تاریخ کے حوالے سے مستند کتاب سمجھی جاتی ہے۔ یہ کتاب نساء

ٹریڈرز۔ براؤن جیم خانہ بلڈنگ کوئٹہ سے 1974 میں شائع ہوئی۔ اس کتاب میں صفحہ 91 پر بلوچوں کے حسب ونسب کے بارے میں تحریر کیا ہے جس کا تذکرہ ہم پچھلے ابواب میں کر چکے ہیں۔ اس کے بعد پھر صفحہ 93 پر جسٹس صاحب نے دوبارہ بلوچوں کے حسب و نسب سے متعلق نظم تحریر کی ہے اس کا تذکرہ بھی ہم پچھلے ابواب میں کر چکے ہیں۔

یہاں خاص بات یہ ہے کہ جن پانچ بلوچوں کا تذکرہ تاریخ کربلا کے حوالے سے آتا ہے ان کے بارے میں کچھ محققین نے کہا کہ بلوچ میدان کربلا میں امام حسین علیہ السلام سے اذن جنگ مانگنے گئے تھے کہ وہ امام حسین علیہ السلام کی ہمراہی میں یزید سے جنگ کریں گے لیکن امام حسین علیہ السلام نے ان کو ان کے اپنے علاقوں میں واپس جانے کے لئے کہا۔ ان پانچ بلوچوں کے بارے میں جسٹس میر خدا بخش مری کھوسہ قبیلہ کی نظم کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ پانچوں بلوچ کھوسہ قبیلے سے تعلق رکھتے تھے جن کے نام حیدر، نورھان، ملھ، کرم اور احمد ہیں لیکن یہ بلوچ واقعہ کربلا کے بعد یزید کی فوجوں سے جنگ کرتے ہوئے کسی اور مقام پر شہید ہوئے۔ اور ہوسکتا ہے کہ یہ جنگ ان پانچوں بلوچوں نے مل کر کسی ایک بلوچ کی سربراہی میں لڑی ہو۔

''بلوچستان زمانہ قدیم سے قیام پاکستان تک''

مصنف سید محمود شاہ بخاری

بلوچستان کی تاریخ مرتب کرنے والوں میں سید محمود شاہ بخاری نے بھی قلم اٹھایا ہے بخاری صاحب کی کتاب بلوچستان زمانہ قدیم سے قیام پاکستان تک 1987 میں بخاری ٹریڈرز جناح روڈ کوئٹہ نے شائع کی۔

محمود شاہ بخاری اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ سب سے پہلے بلوچ لفظ کا استعمال ایران کے مشہور شاعر فردوسی نے اپنے شاہ نامہ میں کیا ہے۔

محمود شاہ صاحب نے اپنی کتاب کے صفحہ 129 پر تحریر کیا ہے کہ بلوچوں کی اصل ان کے اصل مسکن اوران کی نقل مکانی کے بارے میں معلومات کا واحد ذریعہ وہ نظم ہے جس کو ایم ۔ایل۔ ڈیمز نے 1890-1870 کے دوران اپنی بلوچستان میں تعیناتی کے دوران دیگر نظموں کے ساتھ 1907 میں لندن سے شائع کی تھی۔ ان نظموں کا تذکرہ ہم پچھلے ابواب میں کر چکے ہیں۔

''تاریخ بلوچستان''

مصنف پروفیسر عزیز محمد بگٹی

پروفیسر محمد عزیز بگٹی موجودہ بلوچستان کی جانی پہچانی شخصیت ہیں۔ انہوں نے بھی اپنی کتاب کے صفحہ 25 اور 26 پر بلوچوں کی حلب سے نقل مکانی کو سانحہ کربلا میں بلوچوں کے امام حسین علیہ السلام کا ساتھ دینے سے مربوط کیا ہے یہاں پر اس بات کی وضاحت کرنا ضروری ہے کہ بلوچوں کی تاریخ میں دو چیزیں ایسی ہیں کہ جن کا ذکر بلوچستان کی تاریخ لکھنے والے ہر مورخ اور ہر تحقیق کرنے والے نے کیا ہے۔ ان چیزوں میں بلوچوں کی نسل کا حضرت امیر حمزہ علیہ السلام سے شروع ہونا اہلبیتؑ سے اظہار عقیدت و مودّت کرنا اور کربلا میں یزید سے مقابلے میں امام حسین علیہ السلام کا ساتھ دینا شامل ہے۔ اس طرح یہ علامتیں بلوچ قوم کی شناخت بن گئیں۔

''ذکری مسئلہ''

مصنف مولانا عبدالحق بلوچ

کتاب ذکری مسئلہ کے مصنف مکران سے تعلق رکھنے والے مولانا عبدالحق بلوچ پاکستان کی قومی اسمبلی کے رکن اور جماعت اسلامی کے نائب امیر رہ چکے ہیں۔ مکران کی

تاریخ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ مکران پہلی مرتبہ 23 ہجری یعنی 643ء میں اسلامی حکومت کے زیرنگیں آیا۔ اس طرح اس خطے کو علاقے کا باب السلام کہلانے کا شرف حاصل ہوا۔ مولانا عبدالحق اپنی کتاب کے صفحہ 11 پر لکھتے ہیں کہ یہ علاقہ حضرت علی علیہ السلام کے دور تک حضرت علی علیہ السلام کی خلافت کے زیر تسلط رہا اس دوران یہاں عاملین کا تقرر رہا جس کی وجہ سے تبلیغ دین کا عمل شروع ہوا۔ لیکن بنوامیہ کے دور میں یہاں افراتفری پھیل گئی۔

اس دوران اہل تشیع بنواُمیہ کے زیرِ عتاب رہے۔ اس طرح یہ لوگ ایران کی پہاڑیوں کی جانب پھیل گئے۔ اور دورِ افتادہ مقام پر مراکز قائم کر کے منظم ہونے لگے۔ اس طرح مکران کے وہ علاقے جو آج کل ایران کی سرحد میں ہیں۔ وہاں شیعوں نے اپنا اثر قائم کر لیا۔

اس لئے ولید بن عبدالملک کے دور میں حجاج بن یوسف کے مشورے سے 17 سالہ نوجوان محمد بن قاسم کو 94 ہجری میں مکران اور اس سے ملحقہ سندھ کے علاقے پر فوج کشی کے لئے بھیجا گیا۔

مولانا عبدالحق کی سندھ پر حملے کی وجوہات کی تائید سندھ کے ایک نامور تاریخ داں اور سیاستدان رسول بخش پلیجو اور جی ایم سید نے بھی کئی مرتبہ اپنے اخباری بیانات میں کی۔ جب کہ بنواُمیہ کے درباری مؤرّخوں نے محمد بن قاسم کے سندھ پر حملے کو راجہ داہر کی قید میں موجود مظلوم عورتوں کی رہائی کے لئے بھیجنے کے بارے میں لکھا کہ راجہ داہر کی قید میں موجود عورتوں نے حجاج بن یوسف سے فریاد کی کہ ان کو راجہ داہر کی قید سے آزاد کرایا جائے اور حجاج بن یوسف نے ان مظلوم عورتوں کی فریاد ہزاروں میل دور عرب میں سُن لی۔ جبکہ دنیا کے تمام تاریخ دانوں اور مؤرّخوں نے لکھا کہ یزید کے بعد حجاج بن یوسف کائنات کا بدترین انسان تھا جس نے نہ صرف ایک لاکھ سے زیادہ بے گناہ مسلمانوں کے سروں کا مینار بنایا،۔ بلکہ یزید کے حکم پر

خانہ کعبہ کو نذر آتش کیا مسجد نبوی کو گھوڑوں کے اصطبل میں تبدیل کیا جس کی وجہ سے مسجد نبویؐ میں 3 دن تک نماز نہ ہوسکی۔ یہی وجہ ہے کہ پاکستان کے مشہور پبلیشر فیروز سنز لمیٹڈ کراچی نے ایک کتاب شائع کی ہے جس کا عنوان دنیا کے 9 خبیث ترین انسان ہے اس کتاب کے لکھنے والے نے حجاج بن یوسف کو بھی ان 9 خبیث ترین انسانوں میں شمار کیا ہے۔

''بلوچستان میں پیروان علیؑ''

مصنف پروفیسر ڈاکٹر آغا محمد ناصر

پروفیسر ڈاکٹر آغا محمد ناصر بلوچستان کی ایک معروف علمی اور ادبی شخصیت ہیں۔ آپ کی تصنیف بلوچستان میں پیروکاران علیؑ کو اگر بلوچوں کی مکمل تاریخ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ کیونکہ اس کتاب میں مصنف نے تمام مسلم، غیر مسلم اور بلوچ اور غیر بلوچ تاریخ دانوں اور محققین کی کتابوں سے استفادہ کیا ہے۔ اور اس طرح اس کتاب کو اردو زبان کے قالب میں ڈھال کر ایک ایسے گلدستے میں تبدیل کر دیا ہے کہ جس کی خوشبو سے بلوچوں کی درخشاں تاریخ ہمیشہ مہکتی رہے گی۔

پروفیسر آغا ناصر صاحب کی کتاب بلوچستان میں پیروکاران علیؑ کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ مصنف نے مؤرخوں اور محققین کی تحریروں کو ان کے حوالہ جات کے ساتھ من وعن تحریر کیا ہے۔ جس کی وجہ سے مصنف کی کتاب بلوچستان میں پیروکاران علیؑ بلوچوں کی تاریخ میں ایک مستند تاریخ کا مقام رکھتی ہے۔

مصنف نے کتاب کے عنوان پیروکاران علیؑ کا فائدہ اُٹھاتے ہوئے بلوچ قوم کے علاوہ بلوچستان میں مقیم دیگر قوموں کا بھی تذکرہ کیا ہے جس کی وجہ سے کتاب بلوچستان میں پیروکاران علیؑ کو بلوچستان میں شیعوں کی مکمل تاریخ کا مقام بھی حاصل ہے۔

''بلوچستان میں سفیران اہلبیتؑ''

مصنف زیڈ ایچ درانی

جناب زیڈ ایچ درانی کی کتاب بلوچستان میں سفیرانِ اہلبیتؑ کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کتاب میں تاریخی حوالہ جات کے علاوہ بلوچستان کے شیعہ علماء، ذاکرین، نوحہ خوانوں اور مرثیہ خوانوں کے حالات بھی درج ہیں۔

جناب زیڈ ایچ درانی قاسم ابن حوقل کی کتاب صورۃ الارض کے صفحہ 223 اشاعت دوم مطبوعہ لندن 1927 کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ بلوچوں کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ عرب ہیں اور عقیدے کے لحاظ سے شیعہ ہیں۔

مصنف ابو اسحاق ابراہیم بن محمد اصطخر جس کا انتقال چوتھی صدی ہجری میں ہوا کی کتاب المسالک والممالک صفحہ 99 اور یاقوت حموی کی کتاب معجم البلدان جلد 1 صفحہ 492 کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ رودبار، کوہستان، بلوص اور جبال، قفس کی تمام آبادی شیعہ تھی۔ اور وہ حضرت علی علیہ السلام کی بے حد تعظیم کرتے اور حضرت علی علیہ السلام کا نام سن کر خوش ہوتے تھے۔

تاریخ فرشتہ کے صفحہ 563 پر ابوالقاسم فرشتہ بادشاہ محمود بیکران کے زمانے میں سندھ میں آباد بلوچوں کی تعداد 4000 خاندانوں پر مشتمل بتاتا ہے۔ جن میں سب کو قتل کر کے ان کا مال واسباب لوٹ لیا گیا۔

مشہور تاریخ داں اور جغرافیہ داں بشارتی مقدسی متوفی 257 ہجری اپنی کتاب احسن تقاسیم والاقالیم میں لکھتے ہیں کہ قفس اور بلوحس کی اکثر آبادی شیعہ ہے۔ اسی طرح محمد سردار خان کشکوری اپنی کتاب بلوچ قوم کی تاریخ میں لکھتے ہیں کہ سندھ کی ریاست خیر پور میں شیعیت کا فروغ وہاں کے تالپور بلوچ حکمران کی وجہ سے ہوا۔

مشہور عارف شہید ثالث، قاضی نوراللہ شوستری جو کہ بادشاہ اکبر اور جہانگیر کے زمانے میں قاضی القضات تھے اور 1019 ہجری میں شہید ہوئے اپنی کتاب مجالس المومنین کے صفحہ 266 پر لکھتے ہیں جس میں انہوں نے دنیا بھر کے شیعہ اکابرین اور عوام کا تذکرہ کیا ہے کہ شیعوں پر مشتمل بلوچ قوم خود کو اور دیگر محبانِ اہلبیتؑ کو علی دوست کہتے ہیں وہ لکھتے ہیں کہ سید علی راجن بخاری نے ان کو بھرپور طریقے سے ہدایت فرمائی اس وقت ان کی اولاد موجود ہے اور وہ رشد و ہدایت کے حوالے سے اپنی ذمہ داریاں ادا کر رہی ہے عارف خان بلوچ ان کے مشاہیر پیروں میں سے تھے جنہوں نے یہ رباعی کہی تھی۔

عارف پر تیری زکی خواھم کرد
شنتہ جان خصم پہ خواھم کرد
بر سینہ دشمن علیؑ خواھم کرد
شنجرف زخون دل وی خواھم کرد

ترجمہ:۔ عارف جب بھی میں تیر چلاؤں گا۔ تو دشمنِ علیؑ کے سینے پر چلاؤں گا۔ اُس کے خونِ دل سے اُسے شنجرف کی طرح سُرخ کر دوں گا۔"

"امام حسین علیہ السلام کی زندگی"

مصنفہ در شہوار احمد زئی

محترمہ در شہوار احمد زئی خان آف قلات میر احمد یار خان کی نواسی اور جناب آغا میر نصیر خان احمد زئی ستارہ امتیاز کی صاحبزادی ہیں انہوں نے اپنی کتاب امام حسین علیہ السلام کی زندگی کے پیش لفظ میں لکھا ہے کہ ہمارا بچپن بہت اچھا گذرا ہے اس زمانے میں تعصب نام کی کوئی چیز نہیں ہوتی تھی۔ لوگ خوش عقیدہ اور آپس میں محبت اور بھائی چارگی سے ملتے تھے۔ ایک دوسرے کے یہاں تقاریب میں شرکت کرتے تھے۔ ہمارے دادا کا

مکان میکانگی روڈ کوئٹہ پر واقع تھا۔ اس زمانے میں ہمیں محرم کا شدت سے انتظار رہتا تھا۔ محرم شروع ہوتے ہی مجھ پر خود بخود رنج و غم کی کیفیت چھا جاتی تھی اور میں عزادار بن جاتی تھی۔ والد صاحب کی پھوپھی بی بی خدیجہؓ میر خداداد کی بیٹی تھیں اور پیر جمال الدین کو بیاہی تھیں۔ خاص طور پر محرم کے دنوں میں ہمارے گھر آجاتی تھیں۔ ہمارے خاندان کے اکثر افراد امام بارگاہ آتے جاتے تھے محرم کا بہت احترام کرتے تھے۔ ساتویں محرم کو امام بارگاہ سے منتیں اُٹھائی جاتی تھیں۔ ہمارے یہاں محرم کے مہینے کو اماموں کا مہینہ کہتے ہیں۔ ایام محرم میں چارپائیوں کو الٹی کر کے ان پر سویا جاتا تھا۔ خواتین بناؤ سنگھار نہیں کرتی تھیں۔ شربت کی سبیلیں لگائی جاتی تھیں اور لوگ امام حسین علیہ السلام کی یاد میں آنسو بہاتے تھے۔ لوگ قبرستان جا کر یا کسی سیّد کے گھر جمع ہو کر گندم اُبال کر تقسیم کرتے تھے۔ جسے "حسینی کوئل" کہا جاتا تھا۔ آج بھی ہمارے معاشرے میں مصیبت کے وقت منہ سے یا حسینؑ نکلتا ہے اس لئے کہ یہ جملہ ہمارے لوگوں کے دلوں میں رچا ہوا ہے۔

"مختصر تاریخ قوم بلوچ و خوانین بلوچ"

مصنف میر احمد یار خان

آخری خان آف قلات آغا میر احمد یار خان کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں خان آف قلات سے بلوچستان کا رہنے والا ہر شخص واقف ہے۔ آپ ریاست قلات کے آخری والی ریاست اور خان معظم کہلاتے تھے۔ انگریزوں نے آپ کو ہز ہائی نس کا لقب دیا تھا۔

آپ نے اپنی کتاب تاریخ بلوچستان خوانین کے صفحہ 31 اور 32 پر بلوچوں کی تاریخ کے حوالے سے لکھا ہے کہ اگر تاریخ میں زیادہ پیچھے کی جانب جائیں تو بلوچوں کا شجرہ نسب حضرت امیر حمزہ علیہ السلام سے ملتا ہے۔ میر احمد یار خان نے بھی میدان کربلا میں

حضرت امام حسین علیہ السلام کی نصرت کے لئے آنے والے پانچ بھائیوں کی آمد اور رسول اکرمؐ کے لئے جانے والے پانچ محافظوں کی تعیناتی کا ذکر کیا ہے میر احمد یار خان کا شمار تاریخ کے مستند محققین میں ہوتا ہے کیونکہ ان کے پاس خصوصاً بلوچ قوم کی تاریخ کے حوالے سے ایک بہت بڑا کتابوں کا ذخیرہ موجود رہا ہے۔ میر احمد یار خان لکھتے ہیں کہ واقعہ کربلا میں بلوچوں کے امام حسین علیہ السلام کا ساتھ دینے کی وجہ سے بنواُمیہ نے بلوچوں کو صفحہ ہستی سے مٹانے کا حکم دے دیا تھا۔ جس کی وجہ سے بلوچ قوم حلب کی پہاڑیوں سے کوچ کر کے ایران ہوتی ہوئی بلوچستان آ گئی۔ روز عاشورہ میدان کربلا میں امام حسین علیہ السلام کی شہادت بیان کرتے ہوئے میر احمد یار خان کہتے ہیں کہ جب حالت سجدہ میں امام حسین علیہ السلام کا سر اقدس آپؑ کے تن سے جدا ہوا تو نالہ وشیون کی صدائیں بلند ہوئیں جن وانس نے سینہ کوبی کی اور ملائکہ میں صف ماتم بچھ گئی۔ علی علیہ السلام کا چمن اُجڑ گیا اور جناب فاطمہ زہرا علیہ السلام کا گھر بے چراغ ہو گیا آج بھی دنیا میں کوئی ایسا نہیں ہے کہ جس کے دل میں واقعہ کربلا سے ملال نہ پیدا ہوتا ہو۔ بلوچ قوم تو اہل وفا ہے اس لئے ان میں واقعہ کربلا کو سن کر رنج والم کا پیدا ہونا اور یزید سے نفرت پیدا ہونا فطری امر ہے۔

''بلوچستان رپوتاژ''

مصنف بریگیڈیر (ریٹائرڈ) ایس عثمان حسن

بریگیڈیر ریٹائرڈ ایس عثمان حسن تاریخ کے حوالے سے ایک جانی پہچانی شخصیت ہیں آپ نے اپنی کتاب بلوچستان اور رپوتاژ میں بلوچوں کے تاریخی اور مذہبی حوالے سے لکھا ہے کہ بلوچوں کی دوسری نقل مکانی جلال خان کی سرگردگی میں سیستان سے مکران کی جانب ہوئی ان میں رند اور لاشار نمایاں تھے۔ اس حوالے سے بلوچوں کی وہ نظم کہ جس میں وہ کربلا میں یزید کے خلاف امام حسین علیہ السلام کی حمایت کا ذکر کرتے ہیں ہم پچھلے صفحات

میں رقم کر چکے ہیں۔

آپ ہی نے جناب حبیب ابن مظاہرؓ کی کربلا میں امام حسین علیہ السلام کی مدد کو ایک بلوچ کی امام حسین علیہ السلام سے وفاداری کا اظہار کرتے ہوئے جناب حبیب ابن مظاہر کے لقب مظاہری کو قدیم زبان کے حوالے سے مزاری سے تعبیر کیا ہے۔

''تاریخ بلوچ قوم اور بلوچستان''

مصنف آغا میر نصیر خان احمد زئی

آغا میر نصیر احمد خان احمد زئی کی تصنیف ''تاریخ بلوچ اور بلوچستان'' جو کہ کئی جلدوں پر مشتمل ہے۔ بلوچ قوم کی تاریخ کے حوالے سے مستند کتاب تصور کی جاتی ہے۔ آپ ہی نے اپنی کتاب جلد سوئم کے صفحہ 53 اور 54 پر تحریر کیا تھا کہ اسلامی سلطنت کا مشرقی حصہ شروع سے ہی بحیثیت خلیفہ حضرت علی علیہ السلام کے زیرِ تسلط تھا۔ جس کی وجہ سے معاویہ وہاں کے افراد کو لالچ دے کر اپنے ساتھ ملانا چاہتا تھا۔

میر نصیر خان احمد زئی نے اس کتاب میں تفصیل کے ساتھ ان بلوچ قبیلوں کا تذکرہ کیا ہے جنہوں نے حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے بعد امام حسین علیہ السلام کا سوگ منایا۔ وہ مزید لکھتے ہیں کہ امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے بعد حجاز، عراق اور ایران میں یزید کے خلاف سخت نفرت پیدا ہو گئی تھی۔

میر نصیر خان احمد زئی لکھتے ہیں کہ معاویہ اور یزید نے اکراد بلوچ کو اپنے ساتھ ملانے کے لئے زر و جواہر اور مراعات دینے کی پیشکش کی لیکن واقعہ کربلا کے بعد اکراد بلوچ میں بنواُمیہ کے خلاف سخت نفرت پیدا ہو گئی۔

(مصنف) یہاں میں اس بات کو بیان کرنا چاہوں گا کہ تاریخ ان واقعات سے بھری پڑی ہے کہ جہاں بنواُمیہ نے پیسوں، منصبوں یا مراعات کا لالچ دے کر بہت سے

دین داروں کو بھی حضرت علیؑ کے مقابلے پر اپنے ساتھ ملا لیا لیکن وہ پیسوں کے لالچ یا دھونس دھمکی سے بھی بلوچوں کے پایہ استقلال میں کوئی جنبش نہ لا سکے اور الحمد اللہ بلوچ قوم آج بھی اپنی اس بلند کرداری پر قائم ہے۔

''بلوچستان تاریخ اور مذہب''

مصنف پروفیسر محمد اشرف شاہین قیصرانی

پروفیسر محمد اشرف شاہین قیصرانی بلوچستان یونیورسٹی میں شعبہ سیرت (اسلامیات) کے سربراہ اور بلوچستان کی معروف شخصیت ہیں۔آپ کی تصنیف بلوچستان تاریخ اور مذہب اس لحاظ سے اہمیت کی حامل ہے کیونکہ آپ نے قدیم اور جدید تاریخ سے استفادہ کرتے ہوئے بلوچستان میں آباد پشتون اور بلوچ قبائل، ان کی تاریخ، شناخت اور مذہب کا مختصر مگر جامع جائزہ پیش کیا ہے۔اپنی کتاب کے باب سوئم میں تاریخ بلوچ قبائل میں صفحہ 53 پر بلوچ اور بلوچ قوم کے عنوان سے لکھتے ہیں کہ بلوچ نسل اور لفظ بلوچ کے بارے میں اتنی آراء اور نظریات پیش کئے گئے ہیں کہ ان سب کا ذکر کرنے کے لئے ایک دفتر درکار ہے۔

اس سلسلے میں جن نظموں کا حوالہ دیا گیا ہے وہ ہم پچھلے صفحات پر درج کر چکے ہیں فاضل مصنف نے اپنی کتاب کے صفحہ 72 پر اس ہجرت کا ذکر کیا ہے جو رند اور لاشار قبائل نے حلب سے کی تھی اسی طرح اپنی کتاب کے باب پنجم پر صفحہ 359 پر بلوچوں کے مذہب کے بارے میں بلوچوں کے حضرت علی علیہ السلام کے مرید ہونے کی روایات درج کی ہیں۔

''بلوچستان قدیم وجدید تاریخ کی روشنی میں''

مصنف میر گل خان نصیر

سابق وزیر تعلیم میر گل خان نصیر کی تصنیف ''بلوچستان قدیم وجدید تاریخ کی روشنی

میں'' بلوچستان اور بلوچوں کی تاریخ کے حوالے سے نہایت معتبر کتاب ہے اور یہ کتاب بھی اس موضوع پر سند کی حیثیت رکھتی ہے۔

نساء ٹریڈرز جناح روڈ کوئٹہ کی جانب سے شائع ہونے والی اس کتاب کے نویں باب ''تاریخ عمومی'' صفحہ 265 پر لکھتے ہیں کہ جب واقعہ کربلا کے بعد بلوچوں کی جانب سے امام حسین علیہ السلام کا ساتھ دینے کی وجہ سے یزید کی فوجوں نے بلوچوں کا جینا مشکل کر دیا تو انہوں نے ترک وطن کر کے جس علاقے میں سکونت اختیار کی اسے ''جگین'' کا نام دیا لیکن اس کے بعد وہ وہاں سے بھی ہجرت کر کے موجودہ بلوچستان میں آ گئے۔اس وقت اس قافلے میں چالیس قبیلے تھے جن کی سربراہی میر جلال خان کر رہے تھے۔

اس کتاب میں میر گل خان نصیر نے دوسرے مورّخین سے اختلاف کرتے ہوئے بلوچوں کو حضرت امیر حمزہ علیہ السلام کی اولاد سے ہونے کی سند عطا کرتے ہوئے اپنی کتاب کے صفحہ 176 پر لکھا ہے کہ ڈومکی جو کہ دوسرے رندوں کی طرح خود کو حضرت امیر حمزہ علیہ السلام کی نسل سے قرار دیتے ہیں اس سلسلے میں وہ جو شجرہ نسب پیش کرتے ہیں وہ اس طرح ہے کہ حضرت امیر حمزہ علیہ السلام نے ایک پری (یعنی خوبصورت عورت) سے شادی کی جس سے ان کا لڑکا بدیع الزماں تولد ہوا۔اس کے بعد بدیع الزماں کے جو بیٹا پیدا ہوا اس کا نام برلچہ رکھا گیا۔لیکن بعد میں برلچہ نام بلوچ میں تبدیل ہو گیا اس طرح یہ نام بلوچ قوم سے بھی منسوب ہو گیا۔اس کے بعد جناب برلچہ (بلوچ) کے جو اولاد پیدا ہوئی اس کا نام مظہر رکھا گیا اسی طرح جناب مظہر کے 2 بیٹے ہوئے حبیب اور مختار جن میں سے جناب حبیب میدان کربلا میں حبیب ابن مظاہرؓ کے نام سے پہچانے جاتے ہیں جب کہ امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے بعد جب محمد بن حنفیہ لشکر لے کر یزید سے مقابلے کے لئے نکلے تو مختار محمد بن حنفیہ کے لشکر میں شامل ہو گئے۔لیکن یہ مختار مختار ثقفی نہیں ہیں۔

یزید کے مرنے کے بعد جناب مختار کی اولاد ڈومکی کئی عشروں تک عرشیان میں رہی۔لیکن

جب حجاج بن یوسف نے سادات اور محبان علیؓ کا قتل عام شروع کیا تو ڈومکی بھی اس کے ظلم وستم کا نشانہ بنے اس لئے وہ بھی عرشیان سے نقل مکانی کر کے مکران آ گئے جہاں جلال خان قبیلے کا سردار تھا۔ رندوں کے بیان کے مطابق ڈومکی ڈومک کے مقام پر آ کر آباد ہو گئے۔ اسی نام کی مناسبت سے ڈومکی کہلائے۔

میر گل خان نصیر لکھتے ہیں کہ محققین کا کہنا ہے کہ میر چاکر اور خاص کر ان کا بیٹا میر شہداد داد شیعیت کے بہت بڑے مبلغ تھے لیکن اب بلوچستان میں اس صورت حال میں کچھ کمی واقع ہوئی ہے کیونکہ ایک سازش کے تحت وہاں وہابیت کو فروغ دیا گیا۔

میر گل خان نصیر اسی کتاب کے صفحہ 252 پر مزید لکھتے ہیں کہ ملّاؤں کی مسلسل تبلیغ کی وجہ سے نوحہ خوانی کی رسم بھی اب صرف خانہ بدوشوں تک محدود رہ گئی ہے۔ جب کہ بلوچ شاعری میں نوحے کو اب بھی ایک خاص مقام حاصل ہے جس میں بہت نادر اور بلیغ نوحے لکھے گئے ہیں۔

بلوچی عقائد بلوچی شاعری کی روشنی میں
بلوچی حسب ونسب کی نظم کا ترجمہ

(اس نظم کا ترجمہ جسٹس میر خدا بخش مری کی کتاب بلوچستان تاریخ کے آئینے میں سے نقل کیا جارہا ہے۔)

شکر اللہ کا کرتا ہوں اور اسی کی حمد بیان کرتا ہوں
وہی اس جہاں کا مالک ہے
یہ دنیا مٹی اور خاک ہو جائے گی
صرف اللہ کا نام قائم رہے گا
ہم حضرت علیؑ کے مرید ہیں
ہمارا دین اور ایمان محفوظ اور مضبوط ہے
ہم (بلوچ) پاک نبیؐ کی اُمت ہیں
جو جہاں کا والی ہے
ہم (بلوچ) حضرت امیر حمزہؓ کی اولاد ہیں
اور فتح ہمارے نصیب میں آئی ہے
ہم (بلوچ) ملک حلب سے آئے ہیں
اور یزید کے ساتھ ہماری جنگیں رہی ہیں
واقعہ کربلا کے بعد ہم بامپور (بھمپور) پہنچے
اور وہاں سے ہماری اگلی منزل سیستان تھا
یہاں کا بادشاہ شمس الدین تھا
جس کا بلوچوں کے ساتھ دوستانہ برتاؤ تھا
جب بدر الدین تخت پر بیٹھا
اس نے اچانک بلوچوں سے دشمنی مول لے لی
ہم تمام بلوچوں کا سردار میر جلال ہان (خان) تھا
جس کے ماتحت چوالیس قبیلے تھے
جب ہم سیستان سے کوچ کر کے حارین پہنچے
جو علاقہ کیچ کے دائیں طرف واقع ہے
قبیلہ ہوت مکران میں بستا ہے
اور قبیلہ کھوسہ کیچ کے علاقے میں
ہوت اور کورائی فرقے اکٹھے رہتے ہیں
یہ دونوں لاشاریوں میں شامل ہیں
دریشک، ہوت، مزاری یہ رند قبیلے ہیں
رند اور لاشاریوں نے مقبوضہ علاقہ کو
آپس میں تقسیم کر کے اس کی حد بندی کر لی
ڈومبکی کا گھرانہ علاقہ گاج کے نہری علاقہ پر

قابض ہے

چانڈیہ بھی حلب سے آئے ہیں　　اور کلامتی قبیلہ کے قریب آباد ہیں
قبیلہ نوح علاقہ تلی میں بس گیا　　اور جسکانی اس کے قریبی علاقوں میں
قبیلہ پھوژ، میر عالی اور جتوئی　　یہ سیبی (سبی) اور ڈھاڈر پر قابض ہیں
سلا پھوژ رند ہیں اور ان کا سردار میر چاکر ہے　　قبیلہ گولہ، گوپانگ اور دشتی (دستی)
یہ تینوں رندوں کی برادری سے باہر ہیں　　گورگیژ (گورگیج) قبیلہ کی دولت مندی مشہور ہے
اور اس کے افراد تلی کے علاقے میں بس گئے ہیں　　دیگر بلوچ کثیر تعداد میں
جو تمام رندوں میں شامل ہوتے ہیں　　رند علاقہ شوران میں آباد ہے
اور لاشار گنداوہ میں قابض ہیں　　رند و لاشار نے نہری زمین کو آپس میں بانٹ لیا
اور تمام بلوچوں کا سردار اب میر شہک ہے　　میرا یہ بیان تاریخی شواہد پر مبنی ہے
اور یہی بلوچوں کی تاریخ ہے　　پورے تیس سال رند اور لاشار آپس میں لڑتے رہے
یہ بلوچی ضد اور انتقام کا نتیجہ ہے　　شہک کے بعد تمام بلوچوں کا سردار میر چاکر ہے
چالیس ہزار نوجوان میر چاکر کے تابع ہیں　　یہ تمام ایک ہی نسل رند سے ہیں
ان کے سردار لوہے کے خودوں سے ڈھکے رہتے ہیں　　یہ تمام تیر کمانوں اور حمائل سے لیس رہتے ہیں
ریشمی کوٹ اور گلو بند پہنے　　ان کے پاؤں میں موزے چڑھے رہتے ہیں
ان کے خنجر چاندی کے بنے ہوتے ہیں　　اور ہاتھوں میں سونے کی انگوٹھیاں پڑی رہتی ہیں
ان میں بکر، گہرام، رامیں اور فیاض نوز بندغ ہیں　　ان میں پھوژ کا حاضر جواب جاڑو خدا پرست ہے۔
تلوار کا دھنی پیرو شاہ، بجار، ریحان اور میرہان رند شامل ہیں
صوبھا، میھان علی، جام سہاک　　اور علن ھیتان، بیورغ رند

اور میر حسن، اور ابراہیم کی نامور شخصیتیں ہیں　　اس شاعر نے جو شاعری کی ہے
اس کی صداقت کا جانچنے والا میر صادق خان ہے

(بلوچستان تاریخ کے آئینے میں مصنف جسٹس خدا بخش مری صفحہ 93 تا 98، بلوچستان رپورتاژ مصنف بریگیڈیر ایس عثمان حسن صفحہ 245 تا 246، تاریخ بلوچستان مصنف رائے بہادر لالہ ہتو رام صفحہ 10 تا 11)

جسٹس مری اس نظم کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ ''مکمل نظم میں سو سے کم لائنیں ہیں اور ہر پانچویں لائن میں جو ٹیپ کے بند کی حیثیت رکھتی ہے شاعر یہ ضرور دہراتا ہے کہ بلوچ حضرت علیؑ کے ماننے والے ہیں اور حضرت امیر حمزہؓ کی اولاد ہیں جو آنحضرتؐ کے چچا تھے اس کے علاوہ اس نظم میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ بلوچوں کا اصلی وطن حلب ہے جو ملک شام میں واقع ہے۔ وہ یہ بھی کہتا ہے کہ بلوچوں نے یزید سے سات جنگیں لڑی ہیں کیونکہ وہ حضرت امام حسین علیہ السلام کے طرف دار تھے۔　(بلوچستان تاریخ کے آئینے میں صفحہ 14)

قدیم بلوچی شاعری از جسٹس میر خدا بخش مری بلوچ (ایک منفرد تحقیق)

جسٹس میر خدا بخش مری بلوچستان کی معروف علمی اور قانونی شخصیت ہیں۔ آپ بی اے، ایل ایل بی بیرسٹر ایٹ لا اور بلوچستان ہائی کورٹ کے چیف جسٹس اور گورنر بھی رہ چکے ہیں۔ قدیم بلوچی شاعری کے عنوان سے آپ نے ایک کتاب تالیف کی ہے جس میں 1300ء سے 1900ء تک کی بلوچی نظموں اور غزلوں کو جمع کیا ہے۔ آپ نے دیباچہ میں لکھا ہے کہ ''تقریباً نوے سال پہلے 1875ء میں ایک انگریز پولیٹیکل افسر مسٹر لانگ ورتھ ڈیمز۔ آئی۔ سی۔ ایس۔ ایم۔ آر۔ اے۔ ایس (لندن) جو ڈیرہ جات، سبی اور دیگر بلوچی علاقوں میں تعینات تھے بلوچوں اور ان کی زبان سے دلچسپی پیدا کی۔ جس کے نتیجہ میں 1875ء سے 1896ء تک انہوں نے اپنی ملازمت کے دوران بلوچ شاعروں اور

گوّیوں سے بلوچوں کی قدیم بلوچی اور رائج الوقت نظمیں سُن سُن کر رومن رسم الخط میں نقل کرنی شروع کیں۔'' میر خدا بخش مری مزید لکھتے ہیں کہ ''اس مجموعہ کو 1907ء میں مسٹر ڈیمز نے بتوسط رائل ایشیاٹک سوسائٹی لندن پاپولر پوئٹری آف بلوچیز کے عنوان سے انگریزی ترجمے کے ساتھ شائع کیا۔ جسٹس خدا بخش مری صاحب نے آگے لکھا ہے کہ پہلے پہل 1945ء میں تعلیم کے دوران دنیا کے مشہور کتب خانے برٹش میوزیم لندن میں مجھے اس کتاب کے مطالعہ کا موقع ملا اور اس کے کچھ دنوں بعد بڑی تگ ودو سے لندن کے ایک مشہور نایاب کتب خانے سے مجھے اس کتاب کا نسخہ دستیاب ہوا، میں نے اسی وقت سے اس کتاب کو فارسی رسم الخط میں نقل کرنا شروع کر دیا اور اس کے ساتھ ساتھ اردو ترجمہ کرنے کی کوشش بھی شروع کی۔ یہ کوشش آج اس کتاب کی شکل میں آپ کے پیش نظر ہے جس میں میں نے چند نظموں کا اضافہ کیا ہے جنہیں 1950ء اور 1953ء کے دوران میں نے تحصیل کوہلو کے مری علاقوں سے حاصل کیا۔ یہ اشعار مسٹر ڈیمز کو دستیاب نہیں ہوئے تھے۔

میر خدا بخش مری کی کتاب قدیم بلوچی شاعری کے دیباچہ کے چند اقتباسات پیش کرنے کے بعد اب ہم ان نظموں کے اقتباسات اور بعض مکمل نظموں کا صرف اردو ترجمہ تحریر کر رہے ہیں تاکہ بلوچوں کی تاریخ اور عقیدہ سے آگاہی ہو سکے۔ میر صاحب کی کتاب ''قدیم بلوچی شاعری'' اور اس میں شامل تمام نظمیں کوئٹہ شہر کے مشہور اخبار ''روزنامہ مشرق'' میں ہفتے کے دن کے ادبی ایڈیشن میں قسط وار شائع ہو چکی ہیں۔

میر چاکرؒ کی نظم

یاد کرتا ہوں نام اللہ کا	صبح کا ستارہ نکلتے وقت
ہمارا پشت پناہ حیدر (علیؑ) ہے	اور حضرت آخر زماں (امام مہدیؑ)
آ اے مرد اسی صبح کے وقت	اور یاد کر میری نظم
لے جا! اسے میرے دلی دوستوں کے پاس	اور میرے عزیز بھائیوں کے پاس

میر شہداد رند کی نظم

(موصوف سردار چاکر خان رند کے فرزند ہیں)

تعریف خداوند کریم کی کرتا ہوں	میرے مددگار ہیں محمد مصطفیٰؐ
اور حضرت علیؑ جو شیر خدا ہیں	ایک دن میں نے ایک واقعہ
جذب وکشف کی حالت میں دیکھا	کہ ایک ٹہنی جو روشن تھی
اس کے سامنے ایک آئینہ رکھا تھا	جس کی لو میں ایسی روشنی تھی
کہ اس کی مثال میں نے کبھی نہیں دیکھی	پھر ایک چاندی کی کرسی
میں نے کسی کو بیٹھے دیکھا جس کے جلال کے سامنے	میری آنکھیں چندھیا گئیں
اس کی گفتار میں قند جیسی شیرینی تھی	اس کے پاس مومن کا دل تھا
اس نے دن رات پیدا کئے	زمین اور آسمان اس کے حکم سے وجود میں آئے
اچانک میں نے دھواں اٹھتے دیکھا	پھر کیا ہوا نہ عرش تھا نہ کرسی
اور نہ لوح وقلم تھے یوں معلوم ہوتا تھا	کہ نہ ابراہیم خلیل اللہ کبھی پیدا ہوئے
اور نہ نوحؑ کی کشتی کبھی بنی	اور نہ عیسیٰؑ روح اللہ کبھی ہوئے
اور نہ تخت سلیمانؑ کا کوئی نشان تھا	بلکہ ہر طرف علیؑ ہی علیؑ تھے

(جسٹس مری، قدیم بلوچی شاعری صفحہ 198)

مذہبی نظمیں

میر خدا بخش بجارانی صاحب مذہبی نظمیں کے عنوان سے لکھتے ہیں کہ مندرجہ ذیل تین نظمیں مذہب اسلام سے متعلق ہیں۔ پہلی نظم ابراہیم شمبانی کی کہی ہوئی ہے جسے مسٹر ڈیمز نے 1876ء میں بمقام ڈیرہ غازی خان شاعر کی اپنی زبان سے سُن کر نقل کیا باقی دونوں نظمیں لشکران جسکانی کی کہی ہوئی ہیں جو 1876ء میں ہی نقل کی گئی ہیں۔ نہ صرف

ان نظموں میں بلکہ عام بلوچی شاعری میں شیعیت کی طرف رجحانات موجود ہیں جیسا کہ میں نے دیکھا ہے کہ ملتان میں شیعیت پھیلانے والا شخص میر چاکرؒ رند کا لڑکا میر شہداد رند تھا۔ ان نظموں کے پڑھنے سے معلوم ہوگا کہ شاعر پنجتنؑ پاکؑ اور بارہ اماموںؑ کی طرف زیادہ توجہ دیتا ہے۔ ان کی یہ روایت ان کے ابتدائی حالات کی تصدیق کرتی ہے کہ وہ حلب کے علاقے سے آئے اور حضرت امام حسین علیہ السلام کے طرفدار تھے اور یزید کے ساتھ انہوں نے جنگ کی جس کی وجہ سے انہیں ملک چھوڑنا پڑا۔ گو بلوچوں کی اکثریت آج سنی ہے مگر سندھ اور پنجاب میں کافی بلوچ آج بھی شیعہ مذہب سے تعلق رکھتے ہیں ممکن ہے کہ نقل مکانی کے دوران جسے صدیاں گزریں یہ لوگ آہستہ آہستہ سنی ہو گئے۔

ابراہیم شمبانی کی نظم

میں بھی اللہ کا بندہ ہوں — بیٹھ کر اللہ اللہ کرتا ہوں
اور خدا کا نام لیوا ہوں — میں نے یاد کیا شاہ مرتضیٰؑ کو
جو سب کا بادشاہ ہے — میرے دل میں ایک لہر اٹھی
میں نے نبیؐ پاک کو تخت پر بیٹھے دیکھا — جہاں وہ شرع کے مطابق عدل کر رہے تھے

(قدیم بلوچی شاعر صفحہ 194)

لشکران ولد سلیمان جسکانی کی نظم

ابتداء اللہ کے نام سے کرتا ہوں — اور رسولؐ کا کلمہ لازمی ہے
پھر یاد کرتا ہوں امیر المومنین حضرت علیؑ کو — جنہوں نے خیبر پر فتح حاصل کی
دونوں پھول جنت کے لال ہیں — حسنؑ بادشاہ اور حسینؑ موتی ہیں
یہ دونوں حیدرؑ سخی کے جواہرات ہیں — اللہ کے سامنے بارہ دوست یا امامؑ ہیں
چودہ خفیہ پیغمبرؑ ان کے ساتھ ہیں

چالیس پیر اور ولی بھی ساتھ ہوتے ہیں
یہ سب مل کر اللہ کے احکام لوگوں تک پہنچاتے ہیں
اے اللہ تیرے بھرے دربار سے
کبھی کوئی سوالی نامراد نہیں لوٹا اپنے صبر اور محبت سے نبیؐ
اپنی اُمت کو سنبھالتے ہیں
اور اس کا والی ہے بھلا کون ہے جو گناہوں سے خالی ہے
اے خدا تیری قہاری سے میں لرزاں ہوں
منکر ونکیر کے سوالوں سے خوف زدہ ہوں
موت کے فرشتے سے حساب کے دن سے
اُڑتے ہوئے بادل آتے ہیں
اور پگڑیاں مفرور باندھنے والوں کو نابود کرتے ہیں
جب وہ دونوں ہاتھوں سے اُونچا اٹھاتا ہے
اے اللہ میری ہمت بڑھا
اس نازک اور خوفناک موقع پر
تاکہ آتش وتنگ گلی میں سے صحیح سلامت گزر جاؤں
اس وقت میرے آگے بادل چھائیں
اور رحم کی بارش مجھ پر کریں
اے انصاف کے ترازو کو پکڑنے والے نبیؐ میں
اپنا انصاف آپؐ کے ہاتھ میں دیتا ہوں
اگر آپؐ حکم دیں سورج کو تو اسی دم آجائے گا سوا نیزے پر
ایسی خوفناک آنکھیں نکالے ہوئے جیسے

انگارے چمکیں، زمین تانبے کی طرح تپنے لگے گی
اس وقت قیامت میں باپ کو بیٹے کی خبر نہ ہوگی
بھائی بھائی سے جدا ہوگا اور ماں بچوں سے بیزار ہوگی
ہر ایک اپنی صعوبتوں میں گرفتار ہوگا
اور اپنے اعمال کے پسینے سے غرق ہوگا
آدمؑ اور حوا چلے گئے انہوں نے اپنا بویا ہوا کاٹا
اے اللہ مسلمانوں کو بچا
مجھے خدائے قدوس سے صرف یہ عرض کرنا ہے
اے تو جو کریم ہے رب ہے رحمان ہے
مجھ ایمان مانگنے والے کو ایمان بخش اور اپنا کرم کر
قیامت کے دن پل صراط کو طے کریں گے
اس وقت کنجوس اور ظالم پیچھے رہ جائیں گے
اس وقت بھی دل دولت میں لگے ہوں گے
قارون کی دولت حرام اس کی بنیاد سود پر ہے
سود ہی کی ہوتی ہے کنجوس کا کوئی پیر و مرشد نہیں
وہ ہر وقت دولت کے غم میں کراہتے رہتے ہیں
وہ بہشت کی بو سے بے زار معلوم ہوتے ہیں
ان کی دونوں آنکھیں سورج کی طرح ہوتی ہیں
ان کا سر دوزخ کی بھٹی میں جوش کھاتا رہتا ہے
اے میرے دوست! اس زندگی گفتار کو سُن
سخیوں کے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں

وہ شہیدوں کے ساتھ اکھٹے بیٹھتے ہیں
اور طوبیٰ کے درخت کے میوے توڑتے ہیں
بہشت میں سونے اور آبِ کوثر ان کو عطا ہوتا ہے
میں اللہ سے معافی مانگتا ہوں اور مرشد کے دامن کو تھامتا ہوں
حسینؑ جو سورج کی روشنی جیسا ہے میں
پیر کو یاد کرتا ہوں جو مرادیں پوری کرتا ہے
یاد کرتا ہوں سخی لال شہباز کو اور ان دوستوں کو
جن کا یقین مضبوط ہے تریل بھی اس مقام پر پہنچا
حضرت علیؑ کے نقش قدم پر چل کر
سب سے پہلے پنجتنؑ پاک کی تعریف کرتا ہوں
میں رسولؐ پاک کا کلمہ گو ہوں
خداوند کریم جو لاشریک ہے سب سے طاقتور ہے
اس نے اپنی طاقت سے یہ جہاں بنایا
خدا بادشاہ ہے اور محمدؐ رسول اس کے وزیر ہیں
سخی علیؑ امامت کا نگہبان ہے
اللہ پاک کے دروازے پر چار فرشتے ہیں
پہلا پیغمبرؐ کا سفیر یا وکیل جبرائیلؑ ہے
دوسرا بادلوں اور بارش کے ساتھ سفر کرتا میکائیلؑ ہے
تیسرا پھرتا رہتا ہے کبھی بربادی اور کبھی آبادی لاتا ہے وہ عزرائیلؑ ہے
چوتھا منہ میں صور لئے ہوئے اسرافیلؑ ہے
یہ سب کمربستہ اس کے حکم کے منتظر ہیں

اس کے منہ سے شمالی ہوائیں نکلتی ہیں
اللہ کا جب حکم ہوگا تو یہ (اسرافیلؑ) سب کو ختم کرڈالے گا
خلقت پر خداوند کریم کی نگاہ رہتی ہے
ایک حصہ کو وہ کاریگر کی طرح رنگ دیتا ہے
اور دوسرے حصے کو درد کو کرب میں چھوڑ دیتا ہے
میری روح تو رنج نہ کر سب مخلوق کا آخری مقام خاک ہے
رسولؐ اپنی امت کا نگہبان اور والی ہیں
نمازیں و روزے فرض ہیں دیندار لوگ فرض ادا کرتے ہیں
اگلے جہاں میں گناہوں کو کم کرنے کے لئے
طاقت والا اللہ اپنا قرض وصول کر لیتا ہے
اپنے ضامن نبیؐ سے امید ہے
ہم اس کے دامن کو پکڑے ہوئے ہیں
ہماری آنکھیں (اعمال کے باعث) غمناک ہیں
مگر آخر زمان کے بادشاہ (امام مہدیؑ) سے امید ہے
جو قیامت کو اللہ کے تخت پر جلوہ افروز ہوں گے
وہ حضرت امام جعفر (صادقؑ) سے حکم لیں گے
کہ کافروں پر حملہ کرو اور ان کے درمیان دین کا ڈنکا بجاؤ
اس گھمسان میں آدمی اور گھوڑے کٹ مریں گے
باقی لشکر کو وہ خود تتر بتر کر دیں گے
اور جب حضرت عیسیٰؑ نمودار ہوں گے
اور سب کا دم خوف کی وجہ سے نکل جائے گا

پیغمبرؐ اللہ کے حکم سے کافروں پر ایسی ضرب ماریں گے
کہ ان کے سر تن سے جدا ہو جائیں گے
پھر آسمان پر بادل چھا جائیں گے اور بارش برسے گی
(جسٹس مری قدیم بلوچی شاعری صفحہ 199 تا 204)

حضرت علی علیہ السلام کے انصاف کی نظم

میر خدا بخش مری صاحب باز اور کبوتر کے عنوان سے لکھتے ہیں کہ مسٹر ڈیمز نے یہ نظم 1884ء میں غلام محمد بالاچی سے سن کر نقل کی ہے نظم کا موضوع ہے حضرت علیؑ کی انصاف پسندی۔ اس نظم میں بہت روانی ہے شاعری کے اعتبار سے اُونچے درجے کی نظم ہے موضوع بھی نہایت دلچسپ ہے اور اسے اچھی طرح نبھایا گیا۔

ایک باز اور کبوتر ہوا میں اُڑتے آپس میں لڑتے ہوئے
بادشاہ (علیؑ) کی گود میں گر پڑے پہلے باز نے عرض کی
اے شاہ مردان! اے علیؑ! آپ بے شک میرے دین کے والی ہو
میں بچے بھوکے چھوڑ کر آیا ہوں سات دریاؤں کے اس پار ایک درخت کے اوپر
اور میں بھی جھپٹا ہوا آیا کہ کوئی شکار میرے ہاتھ لگے اور میں بھوکے بچوں کے لئے لے جاؤں۔
میرے اس شیر جیسے شکار (کبوتر) کو مجھ سے مت چھینیں آپ تو سب کے حال سے واقف ہیں
پھر کبوتر نے جواب دیا کہ اے شاہ مردان! اے علیؑ
بے شک آپ میرے بھی دین کے رکھوالے ہیں
یہ ہیں میرے حالات کہ میں بھی بچے بھوکے چھوڑ کر آیا ہوں بامپور پہاڑ کی چوٹی پر
میں دانہ چگنے کے لئے آیا تھا تاکہ اپنے بھوکے بچوں کے لئے لے جاؤں
مگر یہ طاقتور ظالم مجھ پر پل پڑا اور مجھے چیرنے پھاڑنے لگا

خدارا مجھے اس بھوکے باز کے حوالے نہ کریں بے شک آپ سب کے حالات سے واقف ہیں
حضرت علیؑ نے اپنے نقیب اور غلام کو آواز دی کہ اے قمبر میری چھری لے آؤ
اور ہاتھ اپنی ران پر رکھا اور کہا اے باز آ تا کہ تجھے گوشت دے دوں
اسی وقت ران کا گوشت کاٹ ڈالا اور کبوتر کے وزن جتنا گوشت
بلکہ مقدار میں اس سے بھی کچھ زیادہ
یہ دیکھ کر کبوتر رو پڑا اور کہا اے حضرتؑ نہ یہ باز ہے نہ میں کبوتر
ہم دونوں اللہ پاک کے فرشتے ہیں ہمیں آپ کی آزمائش کے لئے بھیجا گیا تھا
ہمیں خوشی ہوئی کہ آپ نے صحیح فیصلہ کیا

(جسٹس مری قدیم بلوچی شاعری صفحہ 209)

حضرت علی علیہ السلام کی سخاوت کی نظم

احمد (شاعر) شاہ مردان حضرت علیؑ کا یہ قصہ بیان کرتا ہے
یہ حضرت علیؑ کی کہانی اور اس کی تعریف ہے
ایک بار ایک سوالی بہت سے ارمان لے کر آیا
کہا مجھے روپے دو میں اپنی سات لڑکیوں کی شادی کرتا ہوں
تمام بالغ ہیں دولت میرے پاس نہیں رشتے دار مدد نہیں کرتے
حضرت علیؑ نے اپنے غلام قمبر کو صبح سویرے بلایا
اور حکم دیا کہ اس بوڑھے کے سر پر ایک سفید پگڑی باندھ دے
اور اس کو کہا چونکہ شہر بدر ہوں لہذا روپے کہاں سے لاؤں؟
روپے میرے پاس نہیں کہ تمہیں بخش دوں
میرا ہاتھ پکڑ اور مجھے کسی ملک میں جا کر بیچ دے
میں سو آدمیوں کی قیمت لا دوں گا

پھر ایک مضبوط خچر لاتا کہ تیرے روپے اٹھا سکے
گبروں (کافر) کی عورت نے غصہ ہو کر کہا
کہ یہ شخص ہے کہ سو آدمیوں کی قیمت میں بکا؟
حضرت علیؑ نے اپنی زبان پاک سے کہا
میرا نام حیدرؑ ہے اور میں ہر کام کر سکتا ہوں
(عورت نے کہا) اُٹھاؤ کلہاڑی اور لکڑیاں کاٹنے جاؤ
جب علیؑ خشک پہاڑی نالے کے قریب پہنچے میٹھی نیند سو گئے
ان کے قریب شیر نے مویشیوں کو چیرنا پھاڑنا شروع کر دیا
جب علیؑ نیند سے جاگے تو شیروں کو جنگل سے آتے دیکھا
ان کو کان سے پکڑ کر کالے گدھے کی طرح ان پر لکڑیاں لاد دیں
جب دریا کے اس پار پہنچے شیروں نے ایک ساتھ نعرہ لگایا
تو محل میں دراڑ پڑ گئی اور رانی (گبر عورت) نیچے گر پڑی
کہا اپنے شیروں کو سنبھالو ہم سب شہر والے مسلمان ہوتے ہیں
حضرت علیؑ نے کہا بے شک شیروں کو روکوں گا
کیونکہ محمدؐ کا دین پھیل گیا ہے
تین بار سب نے محمدؐ کا کلمہ پڑھا
علیؑ نے قمبر کو بلا بھیجا کہ جلد آؤ میں مدینہ کو قافلہ لے جاؤں گا
اور ہزار اونٹوں پر سونے کی مہریں لاد دیں
اور نابینا فقیر چوراہے پر بیٹھا تھا
اس نے حضرت محمدؐ کے نام کی روٹی مانگی
حضرت علیؑ نے قمبر کو روٹی دینے کا حکم دیا

قمبر نے کہا کہ روٹیاں تو اونٹ پر سامان میں لدی ہوئی ہیں
حضرت علیؑ نے حکم دیا اونٹ معہ سامان کے فقیر کو دے دو
قمبر نے کہا کہ اونٹ تو باقی اونٹوں کے ساتھ قطار میں ہیں
حضرت علیؑ نے حکم دیا کہ اونٹوں کی پوری قطار دے دو
یہ دیکھ کر قمبر نے شور مچایا اور اونٹ سے نیچے گر پڑا
حضرت علیؑ کے پرجلال چہرے پر گرد پڑی تھی
انہوں نے ہنستے ہوئے پوچھا کہ اے قمبر تم کیوں گر پڑے
کہا میری ماں نے کہا تھا کہ تم دلدل کے آقا کے غلام ہو گے
آپ کی سخاوت دیکھ کر میں دنگ رہ گیا اور میں ڈرا کہ
میں بھی آپ کی دوسری بخششوں کے ساتھ فقیر کو نہ دے دیا جاؤں

(جسٹس مری قدیم بلوچی شاعری صفحہ 211)

تبصرہ مولف: درج بالا دونوں نظمیں مکتب اہلبت کی کتابوں میں جا بجا مل جاتی ہیں اور اکثر شیعہ ذاکر اہلبیتؑ ان نظموں کو یا ان نظموں کے مضامین کو نثر کے انداز میں مجالس میں بیان کرتے رہتے ہیں۔قدیم بلوچی شاعری میں ان نظموں کا موجود ہونا یہ ثابت کرتا ہے کہ بلوچوں کی روایتی مجالس میں یہ نظمیں پڑھی اور سنی جاتی ہوں گی یہ اس بات کا ایک اور ثبوت ہے کہ بنیادی طور پر بلوچ شیعہ تھے۔

ایک فی البدیہ نظم

اللہ کے نام جب نبیؑ نے لڑائیاں لڑیں
تو علیؑ نے کافروں کے جگر چیر ڈالے
کافروں کو شکست دے کر مومنوں کے دین اسلام کو عام کر دیا

اس دن سے آج تک کافروں کے ساتھ ہماری جنگ ہے۔۔ (قدیم بلوچی شاعری صفحہ 244)

(نظم کے ابتدائی اشعار)

ہر صبح میں اللہ کی درگاہ میں دعا مانگتا ہوں جس کے سینکڑوں خزانے ہیں
میں یاد کرتا ہوں پیر (علیؑ) کو جو بخشش کرنے والے سخی سرور پیر ہیں
معجزوں والے پاک علیؑ اپنے مرشد کو یاد کرتا ہوں
جمع ہو جاؤ اس شیر علیؑ کے چاندی جیسے پیروں کے نیچے
تب ہی ہم اپنی صحیح منزل کو پا سکتے ہیں

(نظم کے درمیانی اشعار)

خان محمد مع دوسرے بہادروں کے مارا گیا
مارے گئے نڈر اور شجاعت کا پیکر باغ علیؑ
جو حضرت علیؑ کے زور پر اپنی تلوار چلاتا تھا

(قدیم بلوچی شاعری صفحہ 247)

(ایک اور نظم کے ابتدائی اشعار)

یاد کرتا ہوں پیر نور بہار کو
ہر وقت یاد کرتا ہوں اپنے سچے پروردگار کو
اور شاہ مردان (حضرت علیؑ) کو

(قدیم بلوچی شاعری صفحہ 233)

(نظم کے ابتدائی اشعار)

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے
اور کہتا ہوں ایک فی البدیہ نظم
اعلانیہ اور بلند آواز سے تعریف میں اپنے میر کے

تو (خدا) سب کی حفاظت کرنے والا ہے
جب چاہئے تو سب کی پردہ پوشی کرتا ہے
جب مدد نہیں بھی کرتا ہو تو ہمت کرنی چاہئے
ہم حضرت علیؑ کا نام لے کر حملہ آور ہوتے ہیں
تم نیک بندوں کی دعائیں ہمارے ساتھ ہیں
اے اللہ تو بلا شک لاشریک ہے
اور مری قبیلہ ہمیشہ فتح حاصل کرتا ہے
(قدیم بلوچی شاعری صفحہ 266)

(نظم کے ابتدائی اشعار)
بیٹھ کر یاد کرتا ہوں لاشریک جہاں کو پالنے والے خدا کو
ملتان والے حضرت شمس تبریزیؒ میرا مددگار رہے
وہ ہمارے جانی دشمنوں کو سمندر میں ڈبوتا ہے
اللہ کا کرنا ہے کہ اچانک جنگ وفساد شروع ہوا
دریشکوں کے ساتھ تلواریں توڑنے لگے
(نظم کے درمیانی اشعار)
فوجوں کا مقابلہ کرتا تھا مسوریوں بگٹیوں میں نہالاں تلوار کا دھنی ہے
حضرت علیؑ اس کے مددگار اور اللہ پاک پردہ پوش ہے
(قدیم بلوچی شاعری صفحہ 276)

(نظم کے ابتدائی اشعار)
کہتا ہوں میں نظم لاشریک اللہ کے نام سے
جو زمین اور آسمان کا بادشاہ رحیم اور طاقت ور ہے

وہ بادشاہ ہے جنات بھوتوں اور تمام جانداروں کا
سب کی بنیاد ایک، شاخیں بہت سب اس درخت کے میوے
بخش مومنوں کو اے اللہ جو رسولؐ پاک کے پیرو ہیں
جو پڑھتے ہیں پانچ نماز اور رکھتے ہیں تیس روزے
(نظم کے درمیانی اشعار)
مگر تلواروں کی آواز کتنی زبردست ہے
حضرت علیؑ کی مدد سے نڈر اور زبردست تلوار چلاتا ہے
(نظم کے آخری اشعار)
بہادر کریم داد مشہور ہے اور حبیب پہلوان کی طرح طاقتور ہے
موندرانی اور خداداد کے ہوتے ہوئے کس کو دشمن کی پرواہ ہے
حضرت آخرالزماںؐ اور چالیس بزرگ ہمارے ساتھ ہیں
سو جو بھی فتح حاصل کرتا ہے وہ اپنے امامؑ کی برکت سے
(قدیم بلوچی شاعری صفحہ 282)

(نظم کے ابتدائی اشعار)
اے معجزوں کے مالک خداوند تو لاکھوں کو پالتا ہے
تو تمام بنی نوع انسان کو رزق پہنچانے والا ہے
تیرے حکم سے سمندروں میں بادل اٹھتے ہیں
جو گرج گرج کر برستے ہیں جن سے زمین خوبصورت ہوتی ہے
اس سے سبز گھاس اُگتی ہے اور فصلیں قابل نظارہ ہوتی ہیں
میں بیٹھ کر اپنے پیر کو یاد کرتا ہوں
پیر عالم شاہ کو اور ولی حسین شاہ کو
بہرام خاں کو رُتبہ حضرت علیؑ نے عطا کیا (قدیم بلوچی شاعری صفحہ 253)

قبیلہ کھوسو کی نظم

شکر کرتا ہوں کارساز اللہ کا جو بے نیاز بادشاہ ہے
بہت ہیں تیری قدرتیں اور خصوصیات
رکھنا میری عزت اس تیرھویں صدی میں
باعزت لوگ پہلے کوچ کر گئے ہیں
چھوڑ دیا انہوں نے اس فریبی اور جھوٹے جہاں کو
حیدر سخی اور بارُتبہ تھا وہ پہاڑ کا امیر اور حاکم تھا
میر چاکرؒ اس سے بڑا رُتبہ رکھتا تھا وہ بلوچوں کا مددگار تھا
حضرت علیؑ کی تلوار کمر میں باندھتا تھا
یہ تھا سخاوت کرنے والا حیدر
جب یزید کے لشکر سے جنگ کا وقت آیا
تو وہ لڑنے کے لئے میدان میں کود پڑا
بے دریغ تلوار چلاتا رہا
پھر اللہ کی یہ مرضی ہوئی
کہ وہ شہید ہو کر میدان میں گر پڑا
مع دوسرے بہادر کھوسوں کے
جن میں بہادر نورحاں، بکھو، کرم اور نڈر احمد شامل تھے
اس طرح انہوں نے حضرت (امام حسینؑ)
کے قریب بہشت میں جگہ پائی
قیامت تک ان کو شاباش ملتی رہے گی

باقی بہت سے ڈرپوک بھاگ نکلے
دوستوں اور ساتھیوں کو میدان میں چھوڑ دیا
شرمندگی سے بہادر مردوں کی محفل میں بیٹھیں گے
مردار اور حرام کھائیں گے
کیونکہ امیر (امام حسینؑ) کے بعد زندہ رہے
اے مراسی جب تو علاقوں میں گدا کے لئے جائے
میری اس نظم کو یاد رکھنا اور لے جانا
اور اسے میرے مرید کو پہنچانا
اسے کہنا کہ تم سارنگ کے طاقتور بیٹے ہو
چالاک اور دانا ہو تم
تم کو نظم کہتے ہوئے شرم آنی چاہئے
کیونکہ نظمیں کہنے کے قابل وہی ہیں
جو جنگ میں صف اوّل میں رہتے ہیں
جو اپنے امیر سے پہلے اپنی جان قربان کرتے ہیں
جو دو ہاتھوں سے تلوار چلاتے ہیں
جو خود مرتے یا دوسروں کو مار ڈالتے ہیں
نہ کہ وہ لوگ جو معمولی زخموں کی وجہ سے
چھ ماہ تک کراہتے رہتے ہیں
جو حکیموں سے دوا کر کے صحت یاب ہوئے ہیں

(قدیم بلوچی شاعری صفحہ 261)

قدیم بلوچی شاعری بزبان ملک میران خان ڈومکی
جہاں خان رند کی بلوچی نظم (اُردو ترجمہ)

یہ نظم میر جہان خان رند کی کہی ہوئی ہے جو ملک میران خان ڈومکی نے مجھے سنائی تھی۔

(مؤلف)

جہان خان شاہِ مردان (حضرت علیؑ) کی مدح بیان کرتا ہے
علیؑ اور کافروں کے درمیان بڑی جنگ ہے
مولا علیؑ کا نعرہ حیدری شیر کی طرح کی گرج ہے
جس کی آواز سے قلعے گر اور پہاڑ پھٹ جاتے ہیں
مولا علیؑ کا سینہ بہت چوڑا ہے یعنی وہ بہت سخی ہیں
علیؑ کے چہرے کی چمک چاندی اور چراغ سے بھی زیادہ ہے
علیؑ سائیں نبیؐ پاک کے ساتھ سیر و شکار کو نکلے
آسمان سے مٹی اُڑی اور اندھیرا چھا گیا
ایک بڑا پرندہ یا محمدؐ یا علیؑ کہتا ہوا آیا
اس پرندے کو بلوچی میں سیمرغ کہتے ہیں یہ تمام پرندوں سے بڑا پرندہ ہے
یہ ہاتھی کو اپنے پنجوں میں دبا کر کھا جاتا ہے
وہ امام علیؑ اور پاک محمدؐ کا نام لیتے ہوا آیا
کہنے لگا یا محمدؐ یا علیؑ میں ایک فریادی ہوں
میرا بچہ ایک بڑے ظالم اژدھا نے کھا لیا ہے
علیؑ سائیں نے کہا تم خود اتنے بڑے ہو
کہ چلتے چلتے ہاتھی کو بھی کھا جاتے ہو
پرندہ کہنے لگا کہ میں نے اس سے لڑائی کی

مگر اژدھے کی پھنکار مجھے جلا رہی تھی
علیؑ سائیں نے نبیؐ پاک سے اجازت مانگی
نبیؐ پاک نے کہا تم مشکل کشا ہو
جاؤ اس مجبور غریب کی مدد کرو
علیؑ سائیں پرندے کے ساتھ روانہ ہو گئے
دو سال کا سفر علیؑ نے ایک لمحے میں طے کیا
اور وہاں پہنچ گئے جہاں اژدھے کا گھر تھا
مولا علیؑ نے ایک نعرہ حیدری لگایا
اژدھا پہاڑ کے غار سے باہر نکل آیا
ایسا محسوس ہوا جیسے ساون کی کالی گھٹا ہو
وہ گھوڑے کی طرح منہ کھول کر لڑنے آیا
اس کے دو دانت خنجر کی طرف نظر آئے
اور آنکھیں بڑی تھال کی طرح نظر آئیں
اللہ نے پھر ایک رات کی روزی دے دی
علیؑ نے خاموش ہو کر قرآن کی تلاوت کی
اور اللہ سے دُعا کی مجھے فتح دے
اور اس ظالم جاہل اژدھا کو شکست دے
پھر مولا علیؑ نے اپنی تلوار ذوالفقار نکالی
اور ظالم اژدھے کے سر پر دے ماری
اژدھے کے دو ٹکڑے ہو گئے اور خون بہنے لگا
پرندے کا بچہ اژدھا کے پیٹ سے زندہ باہر نکل آیا

سیمرغ اور بچہ علیؑ کے قدموں میں گر پڑے
اور علیؑ کی اجازت سے خوشی خوشی چلے گئے
سیمرغ نے علیؑ سے کہا میں آپ کا مرید ہوں
اور آئندہ زمین پر کسی انسان کو نہیں کھاؤں گا۔

پہلوان خان ڈومکی کا سرائیکی کلام

اسم اسداللہ دا غالب	علیؑ کا نام اسداللہ غالب ہے
علی مدد پیغمبر دا	اور علیؑ نے پیغمبرؐ کی مدد کی ہے
جب سائل آن سوال کیتا	سائل نے ایک دن سوال کیا
علی نظر عنایت نال ڈتا	علیؑ نے اس پر نظر عنایت کی
گہن ہاں ڈوھیں جالال ڈتا	اپنے دونوں بیٹے سائل کو دے دیئے
دیکھو شفقت شاہ تونگر دا	دیکھو شفقت سخیوں کے بادشاہ علیؑ کی
جب علیؑ مقابل آتے ہیں	جب علیؑ کفار کے مقابل آتے ہیں
تب کافر فتح نہ پاتے ہیں	تب کافر فتح نہیں پاتے ہیں
وہ بھاگ کر لرز جاتے ہیں	کافر بھاگتے لرزتے اور چھپتے ہیں
دہشت دیکھ دلاور دا	علیؑ دلاور کی دہشت دیکھ کر
پہلوان صفت گو شاہ دا ہے	پہلواں شاہ مردانؑ کی صفت کرتا ہے
بس خادم این درگاہ دا ہے	میں خادم اسی درگاہ کا ہوں
علی حیدر شیر اللہ دا ہے	علیؑ حیدر اللہ کا شیر ہے
کر سید مدد ثنا گر دا	میری مدد کروا ے سید و سردار
اسم اسداللہ دا غالب	علیؑ کا نام اسداللہ غالب ہے
علی مدد پیغمبر دا	اور علیؑ نے پیغمبرؐ کی مدد کی ہے

علیؑ فاتح خیبر ہیں (کلام پہلوان فقیر ڈومکی) اردو

بہادر نے لوٹ لیا خیبر پڑھوں میں نادعلیؑ حیدر
جب سے حملہ حیدر نے کیا علم فتح کا علیؑ نے اُٹھایا
مرحب کا سر کاٹ کر حیدرؑ نے خیبر فتح کیا
موسیٰؑ ہارونؑ کی حالت علیؑ ولی محبوب حضرتؐ
چچازاد بھائی ہیں علیؑ اور نبیؐ ایک دوسرے کے
آسمان کا فرشتہ (جبرئیل) ایک لمحے میں آ گیا
حضرتؐ کو یہ بات سنائی آپؐ کے لئے معراج بنائی
پہلوان نے اللہ کو عرض کیا میرا ہاتھ ہمیشہ علیؑ کے ہاتھ میں رہے
علیؑ کا دامن پکڑ کر اسی سید کے در سے وابستہ ہو گیا ہوں

لقمان رندکی (نظم کا ترجمہ)

جب مشکل پڑے تو گھبراؤ مت بس علیؑ علیؑ کہتے جاؤ
اندھے فقیر نے روٹی مانگی اسے ستر اونٹ دے دیے
اور اونٹوں کی رسی نادر فقیر کے ہاتھ میں دے دی
علیؑ نے نادر فقیر کے سر پر ہاتھ رکھا تو وہ بینا ہو گیا
جب مشکل پڑے تو گھبراؤ مت بس علیؑ علیؑ کہتے جاؤ
جب نبیؐ پاک نے پکارا خیبر میں علیؑ فوراً پہنچ گئے
خیبر کے مضبوط قلعے کو علیؑ نے انگلی سے اکھاڑ دیا
علیؑ کے نعرہ سے پورا پہاڑ جل کر راکھ ہو گیا
جب مشکل پڑے تو گھبراؤ مت بس علیؑ علیؑ کہتے جاؤ

سخی کا گھر تو ایک ہی ہے اور کہیں کچھ نہیں ملے گا
حیدرؑ کے گھر سے محبت کرو ورنہ ٹھوکریں کھاؤ گے
رند کو بس علیؑ سے محبت ہے اور ہر دم علیؑ کا نام لیتا ہے
لقمان کے سب گناہ معاف ہو جائیں گے اگر علیؑ نے شفاعت کی
بہت گناہ گار ہوں اور اللہ بڑا مہربان ہے
جب مشکل پڑے تو گھبراؤ مت بس علیؑ علیؑ کہتے جاؤ

ملک میران خان ڈومکی کا کلام
بلوچی قصیدہ در مدح امام علیؑ

ابراہیمؑ نے آگ میں کہا یا علیؑ مدد	یوسفؑ نے کوہ کنعان میں کہا یا علیؑ مدد
موسیٰؑ نے کوہ طور پر چڑھ کر کہا یا علیؑ مدد	نوحؑ کی کشتی جب ہلنے لگی تو کہا یا علیؑ مدد
یونسؑ نے مچھلی کے پیٹ میں کہا یا علیؑ مدد	تاریخ گواہ ہے خیبر کی کہ محمدؐ نے بلایا یا علیؑ کو
دونوں جہاں کے سردار نے کہا یا علیؑ مدد	جس کے دل میں اللہ ہے وہ کہے یا علیؑ مدد

قدیم بلوچی شاعری بزباں بھاول خان ڈومکی
بلوچی نظم در مناقب حضرت علیؑ (اردو ترجمہ)

صفت گویم خدائی قدرتانی	میں تعریف بیان کرتا ہوں اللہ کی
محمد مصطفیٰ اور مرسلانی	محمد مصطفیٰؐ اور سب رسولوں کی
علی شاہ چھاریں یار مومنانی	امام علیؑ مومنوں کے دوست ہیں
تقی او قاسم دوز دائیں امامانی	امام تقیؑ حضرت قاسم اور بارہ امام بھی
امام جعفر دوئیں شہزادغانی	امام جعفر (صادقؑ) اور دونوں شہزادے (حسنؑ و حسینؑ)
ابوصالح سرے پیر سبحانی	ابوصالح بھی اللہ کے پیروں میں سے ہیں

قلندر شیر شہباز سہوانی	لال شہباز قلندر بھی بڑے پیر ہیں
سید اوچ بزرگیں برکتانی	اوچ شریف کے سید بڑے پیر ہیں
سید اولیاء سخی این سبحانی	سید اور اولیاء اللہ کے سخی ہیں
علی یا گڈ ساپھوز کافرانی	علیؑ نے کافروں کی فوج کو قتل کیا ہے
کھلاتے ژند کھذئی کوٹ منکرانی	منکروں کے مضبوط قلعے (خیبر) کو فتح کیا
علی وڈاڑیں دین دشمنانی	علیؑ دین کے دشمنوں کے دشمن ہیں
مزاری ہشمت او شیر بیلوانی	علیؑ لوگوں کے درمیان شیر کی مانند ہیں
چھے مرغا یاؤڑیں شکروانی	جیسے پرندوں میں باز (شاہین) ہوتا ہے
حکم پاکیش رب اختیارا	اللہ پاک نے انہیں حکم اور اختیار دے رکھا ہے
فتح جنگ علی دلدلارا	علیؑ کو ہمیشہ فتح ہی حاصل ہوئی ہے
بیوخیں تیغ نپتں ذوالفقارا	ان کی تلوار ذوالفقار تیز چلنے والی ہے
دے موجھاں تا گشاں اے حجابا	میرا دل سچ کہنے سے رکتا نہیں ہے
مئی نام سمئے سچارا	میرا نام سچ بولنے والوں میں ہے
غزایاں مانہ پھارے زوں وسارا	میں دکھوں اور دردوں سے ڈرتا نہیں ہوں
ڈھاڑا خدائی اختیارا	زندگی اور موت خدا کے اختیار میں ہے

قدیم بلوچی شاعری بزبان عبدالکریم بھرمانی

ہر صحواں اللہ اللہ کھناں ہمیشا خدائے نام گراں	ہر صبح اللہ اللہ کرتا ہوں پہلے خدا کا نام لیتا ہوں
گوں محمدؐ و علیؑ پنج پاکؑ امام دوزادہ آں	اس کے ساتھ محمدؐ علیؑ پنجتنؑ بارہ اماموں کو یاد کرتا ہوں
معصوم ہاکیں چھاردہ آں مڑو کہ ایشاں نے نزاں	معصوم چودہ ہیں وہ شخص جو ان کو نہیں پہچانتے
آں ھڑدوئیں میداں آرداں	وہ دونوں جہانوں میں محروم ہے

بے ایمان یزید قو تلاں	اگر یزید کا نافرمان ہے تو برائی کیا ہے
آن روشا قاضی بی وس خدا	اس دن خدا خود فیصلہ کرے گا
زرنیئں کہ آدمی چھوڑائنی جاں	کسی کے پاس کچھ نہ ہوگا کہ اپنی جاں چھڑائے
میریں محمدی بی وسرا	سردار محمدؐ خود آگے ہوں گے
منگورواں پھر کی ہوا	ہوا کی مانند اڑ جاتا ہوں
شیر تھنگوے چھتر بنا	حضورؐ کے سنہری سایہ میں
مادیھا حسین مذہب میں سیں	ہم نے حسینؑ کا مذہب اختیار کیا ہے
توڑے مسلمی بی سنگیں	ہم پہلے ہی مسلمان ہوئے تھے
زحمان جناناں آخگیں	ہم تلوار چلاتے ہوئے آئے ہیں
گوں شاہ جوریں دشمناں	سید کے دشمن کے ساتھ جنگ کرتے
پھٹ کھناں ملوانڑا خرا	میں لعنت کرتا ہوں اس گدھے پر
اہل امامانی دشمنا	جو دنیا کے اماموں کا دشمن ہے
آں خارجی ھمنذ وا	جو دنیا کے اماموں کا دشمن ہے
راندی ھمو جہاں عالما	وہ دنیا کو فریب دیتا ہے
ایشاں امام باز کشتگاں	انہوں نے بہت سے امام شہید کئے
موسی امیریں قاسماں	حضرت موسیٰ اور حضرت قاسم
شاہ حسین کربلا	امام حسینؑ کو کربلا میں شہید کیا
چہارمی امام زین العابدین	چوتھے امام زین العابدینؑ ہیں
پنجمی محمد باقرؑ ششمی امام جعفر صادقؑ	پانچویں امام محمد باقرؑ اور چھٹے جعفر صادقؑ ہیں
ھفتمی امام موسیٰ کاظم ہشتمی علی رضاؑ	ساتویں امام موسیٰ کاظمؑ اور آٹھویں علی رضاؑ ہیں

نھمی امام محمد تقیؑ دھمی علی نقیؑ	نویں امام محمد تقیؑ اور دسویں علی نقیؑ ہیں
یازدھمی امام عسکریؑ دوازدھمی مہدیؑ جنگی	گیارویں امام عسکریؑ اور بارویں مہدیؑ آخری
آں ہردوئیں گوں شھاڑوہاں	ان دونوں کے ساتھ چودہ بنتے ہیں
پاکیں طیب وطاہراں	یہ سب پاک و پاکیزہ ہیں
پاک آتکنگو پاک رفتگاں	یہ پاک ہی آئے اور پاک ہی چلے گئے
آں پاک پھمشتہ پاکساں	وہ پاک ان کی نسل پاک ہے
خیرالبشر مشتاقساں	وہ کائنات میں بہتریں مخلوق ہیں
یکھ رنگ یکھ طاقساں	ایک دوسرے کے ہم شکل اور ہم خیال ہیں
ہادی تو مہدیؑ آخرالزماں	ہادی تو مہدیؑ آخرالزماں ہیں

تبصرہ مولف: اس بلوچی نظم میں بارہ اماموںؑ کا نام لے کران کی صفت اور فضائل بیان کئے گئے ہیں جو اس بات کا کھلا ثبوت ہیں کہ بلوچ شیعہ ہیں کیونکہ بارہ اماموںؑ اور چودہ معصومین کو سوائے شیعہ مسلمانوں کے اور کوئی مکتب فکر نہیں مانتا ہے۔

کلیات مولانا محمد حسن براہوی

ملا محمد حسن براہوی بلوچستان میں اردو کے پہلے شاعر ہیں۔ آپ اٹھارویں صدی عیسوی میں گذرے ہیں آپ کا تعلق براہوی بنگلزئی قبیلے سے ہے۔ آپ ریاست قلات میں وزیر کی حیثیت سے بھی کام کرتے رہے ہیں۔ آپ اردو کے علاوہ فارسی اور براہوی کے بھی قادرالکلام شاعر تھے۔ آپ کے اردو اشعار میں اہلبیتؑ سے محبت اور عقیدت کا جو اظہار ملتا ہے وہ انتہائی منفرد ہونے کے ساتھ ساتھ شیعہ عقائد کا مظہر بھی ہے اس کا ثبوت آپ کے کلیات کے پہلے صفحے میں ہی ملتا ہے جس میں آپ اہلبیتؑ رسولؐ کی منقبت میں رقم طراز ہیں کہ:

میں کام جملہ اپنا شیر خداؑ کو سونپا   سب مطلبات کلی بدر الدجیٰ کو سونپا
ناموس کا نگہباں میں کر دیا ہے زہراؑ   شرم و حیا سراسر صاحب حیا کو سونپا
نام و نشاں کا مالک شہ حسنؑ ہے   یہ دونوں مطلب اپنا وہ مجتبیٰؑ کو سونپا
میں پیاس تشنگی کا دنیا و آخرت میں   لب خشک کربلا کا مشکل کشا کو سونپا
جائے اماں اپنا سب رنج درد و غم میں   جا کر زخوف دیکھو زین العباؑ کو سونپا
کار جہاں کو یکسر سونپا ہے میں بہ باقرؑ   ہم جسم و جاں و ہم سر او رہنما کو سونپا
تا جب تلک جہاں ہے جعفرؑ کا جا اماں ہے   صد کام مشکل اپنا صبح صفا کو سونپا
وہ کہ امیر عادل مار امر عدد کوں   جاں میں زفکر دشمن موسیٰؑ رضا کو سونپا
میں تکیہ ہما گہ جو کیا شاہ تقیؑ نقیؑ کو   پشت و پناہ اپنا دو اتقیا کو سونپا
دیکھو دہر میں چو عسکریؑ ہرگز نہیں دلاور   میں اس کے پاس جا کر کل مدعا کو سونپا
ہادی حسنؑ کا ہو یا دیکھوا امام مہدیؑ   ہر کار زکو زشادی آل عباؑ کو سونپا

ملا محمد حسن بنگلزئی کے دیگر اشعار ملاحظہ فرمائیں

سر مرا شاہ کا سلامی ہے   مجھ کو دیکھو رہ غلامی ہے
حُبِّ حیدرؑ جس کے دل میں نہیں   نے حلالی و لے حرامی ہے
شرم جس کو نہیں ز آل علیؑ   داخل فرقہائے شامی ہے
نہیں جو سر غلام شاہؑ نجف   خاک سر پر زنا تمامی ہے

مزید ایک شعر ملاحظہ فرمائیں

ہے خجالت در جہاں منت طبیباں کی حسنؑ مرہم ایسے زخم کا حیدرؑ سے پوچھا چاہئے

ملا حسن بنگلزئی کا ایک اور شعر ہے

نوروز میں جو تخت نشین ہے علیؑ ولی   جائے نبیؐ کی جائے نشین ہے علیؑ ولی

ایک رباعی میں حضرت علیؑ کی شان میں ارشاد فرماتے ہیں

دیکھو دہر میں دلاور و دانا ہے یا علی
ہر درد میں دوا و مداوا ہے یا علیؑ
یار نبیؐ و ہمسر زہراؑ ہے یا علیؑ
جنگ احد میں قاتل اعدا ہے یا علیؑ
سب مومنوں کا رہبر و مولا ہے یا علیؑ

منقبت ملا محمد حسن بنگلزئی در فضیلت امام علیؑ

بہ در ریز داں کے شیر نر علیؑ ہے   وصی آل پیغمبر علیؑ ہے
امام مسجد و منبر علیؑ ہے   یہ جبرائیلؑ کو شہ پر علیؑ ہے
جہاں میں صاحب کشور علیؑ ہے   علیؑ ہے صاحب و ساقی کوثر
علیؑ ہے کل عالم میں تونگر   علیؑ ہے حضرت زہراؑ کا ہمسر
علیؑ ہے ہر دو عالم میں دلاور   تمام خلق کا رہبر علیؑ ہے

حضرت علیؑ اور حضرت فاطمہ زہراؑ کی شان میں

میری عرض سن لے تو شیر خداؑ   توئی خلق و عالم کا مشکل کشا
سند ہے تری شان کا لا فتا   ہوا تاج سر پر ترے انما
سدا سن مراد شتابی نما   خبر لے مری جلد یا سیداؑ

”بلوچستان کی کہانی شاعروں کی زبانی“

مصنف میر گل خان نصیر

سابقہ وزیر تعلیم میر گل خان نصیر اپنی کتاب بلوچستان کی کہانی شاعروں کی زبانی میں صفحہ ۱ تا ۱۰ بلوچوں کی نسل، تاریخ اور روایات کے بارے میں بلوچ شعرا کی رائے کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں ”رندوں کے متعلق عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ وہ خلیفہ یزید بن معاویہ کے عہد میں وادی حلب (شام) میں بودو باش رکھتے تھے جب یزید اور امام حسینؑ کے درمیان لڑائی چھڑی تو رندوں نے یزید کے خلاف امام حسینؑ کا ساتھ دیا۔ امام حسینؑ کی شہادت کے بعد وہاں سے جگین کے علاقے میں آئے جو کرمان کے نواح میں واقع ہے یہاں سے پھر انہوں نے یعنی رندوں نے مکران کی طرف ہجرت کی اور پھر وہاں سے سیوا کے دیس ”بل اکستان“، یعنی سورج دیوتا کے وطن میں آئے جو غالباً اس زمانے میں موجودہ قلات کے اضلاع ساراواں اور جھالاوان پر مشتمل تھا، یہاں کچھ عرصے رہنے کے بعد انہوں نے جام نندہ کے علاقہ کچھی کا رخ کیا اور اس پر قابض ہو گئے۔“

آگے چل کر فاضل مصنف لکھتے ہیں ”بلوچوں کا دعویٰ ہے کہ انہوں نے نہ صرف کربلا میں یزید کے خلاف امام حسینؑ کا ساتھ دیا بلکہ ان دنوں جب رسولؐ اللہ مکہ میں بے یار مدد گار تھے انہوں نے اپنے قبائل سے پانچ بہادر بلوچ رسولؐ اللہ کی حفاظت کے لئے بھیجے ایک بلوچ شاعر کہتا ہے۔

پانچ بہادر بلوچ رسولؐ اللہ کی خدمت میں کھڑے تھے
جب خدا کے دوست نماز پڑھتے
تو وہ پہرہ دیا کرتے تھے   جب کفار کے ساتھ لڑائی چھڑی

کفار کا لشکر بے شمار تھا   تیر اولوں کی طرح برسے
اور زمین سے دھواں اٹھنے لگا   مگر وہ پانچ بلوچ ثابت قدم رہے
ان کا ایمان قائم رہا   دشمن ان کو مغلوب نہ کر سکا
اس دن نبیؐ پاک نے   بلوچ کے سر پر طلائی تاج رکھا

”زحم ءِ زیمر“

مصنف غوث بخش صابر

بلوچی زبان کے نامور ادیب و شاعر جناب غوث بخش صابر کی کتاب ”زحم ءِ زیمر“ جس میں اسلامی جنگوں کے حوالے سے بلوچی زبان کے مختلف شعرا کا کلام ہے اس کتاب میں کل سترہ نظمیں ہیں جن میں سے بارہ نظمیں حضرت علیؑ کے حوالے سے ہیں۔ ان نظموں میں حضرت علیؑ کی سخاوت، رسولؐ پاک سے ان کی محبت اور معجزات کے حوالے سے بہت سی روایات بیان کی گئیں ہیں۔ لیکن اس کتاب میں ملا بہادر کی ایک مناجات میں بارہ اماموںؑ اور چہاردہ معصومینؑ پاک کا ذکر جس خاص طریقے سے کیا گیا ہے وہ بطور خاص قابل غور ہے۔ اسی نظم میں شیعوں کے آٹھویں امام حضرت علی بن موسیٰ رضاؑ کا نام جس دعائیہ انداز میں آیا ہے وہ بھی اہم ہے۔

اس نظم کے چند اشعار کچھ یوں ہیں۔

بارہ گرانم کس سبک   از من دعا از تو کمک
اعلیٰ علی موسیٰ رضاؑ   اے دفع کل قضا
دوازدہ امام مرتضیٰ   معصوم چہاردہؑ بے گناہ
بابرکت اہل صفا   لفظے بر من الہٰ

''شب جراگ''

مصنف بشیر احمد بلوچ

ممتاز ادیب و دانشور اور نامور براڈ کاسٹر جناب بشیر احمد بلوچ کی کتاب ''شب چراگ'' صفحہ 161 میں ملا فاضل رند کی ایک نظم کے چند اشعار دیکھئے جو حضرت علیؑ کے ایک معجزہ سے متعلق ہیں۔ اس نظم میں ایک نوجوان کی داستان بیان کی گئی ہے جو کسی لڑکی کی خوبصورت آنکھوں پر فریفتہ ہوجاتا ہے جس کے بعد وہ ایک قاصد کے ذریعے یہ پیغام بھجواتی ہے کہ یہ تو عارضی آنکھیں ہیں جنہیں موت کے بعد کیڑے کھاجائیں گے اور یہ کہتے ہوئے اپنی دونوں آنکھیں نکال کر قاصد کے ہاتھوں میں اس شخص کو بھجوادیتی ہے قاصد کے ہاتھوں میں لڑکی کی آنکھیں دیکھ کر نوجوان کی کیفیت بدل جاتی ہے اور اس پر لرزہ طاری ہوجاتا ہے اور وہ اسی کیفیت میں بارگاہ حضرت علیؑ میں حاضر ہوکر التجا کرتا ہے کہ اس کی مشکل کشائی فرمائیں چنانچہ حضرت علیؑ نے اللہ تعالیٰ کی جانب سے عطا کردہ فیصلوں کے سبب اس لڑکی کو پہلے سے کہیں زیادہ خوبصورت اور روشن آنکھیں عطا فرماتے ہیں اور دونوں کو رشتہ ازدواج میں منسلک کردیتے ہیں اس واقعہ کے نتیجے میں بہت سے لوگ ہدایت پاتے ہیں اور شاعر آخر میں کہتا ہے کہ فاضل! ولیوں کا راستہ حق سچ ہے۔

یاعلیؑ حضرت کپتگ من ءِ کارے   متی سرءِ کپتگ زیادھیں بارے
پہ نئی دستا سھل وآساں انت   پہ منی جاں ءِ بیرگ ءِ گراں انت
قمبر پہ تاجیلی رواں واتگ   دخترے معلوم دار کنالیتگ

مضمون مصنف صورت خان مری

صورت خان مری اپنے ایک مضمون میں کہتے ہیں کہ بلوچ آج بھی حضرت علیؑ سے بہت عقیدت رکھتا ہے، وہ آج بھی شیعان علیؑ میں سے ہونے پر فخر کرتا ہے اور آج بھی

بلوچوں کا جنگی نعرہ یاعلیؑ اور یاعلیؑ اور یاعلیؑ مدد ہے اور وہ حضرت علیؑ کو اپنا رہبر مانتا ہے۔ اس مضمون میں صورت خان مری نے کئی رزمیہ نظموں کے حوالے دیئے ہیں جن میں سے دو کے ترجمے کچھ یوں ہیں۔

مقدس شخص کا دوست گاتا ہے
وہ اللہ اور اس کے رسولؐ کی تعریف بیان کرتا ہے
دوبارہ اور اس کے رسولؐ کی تعریف بیان کرتا ہے
وہ بارہ اماموںؑ کی تعریف کرتا ہے
وہ چودہ معصومینؑ پاک اور چالیس ابدالوں کی تعریف بیان کرتا ہے

ایک اور نظم میں اہلبیتؑ کی تعریف یوں ہورہی ہے

جنت کے دو سرخ گلاب ہیں   حسنؑ بادشاہ ہیں حسینؑ شہزادہ ہیں
حیدرؑ کے یہ لعل و گہر ہیں   اللہ کے دربار میں بارہ امامؑ کھڑے ہیں

اسی طرح رسولؐ اللہ کی پیاری بیٹی جنت کے سرداروں کی ماں حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کا جو مقام بلوچ سماج میں ہے اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ کسی شادی شدہ عورت کی وفات پر جو ماتم کیا جاتا ہے اس میں یہ شعر بھی پڑھا جاتا ہے۔

تجھے پاک فاطمہؑ کی مدد ہر دم حاصل رہے اور وہ تمہارے لئے اپنی مستعد کے ذریعے پھولوں کے گلدستے بھیجتی رہیں۔

''بلوچستان رزمیہ شاعری''

مصنف میر گل خان نصیر

میر گل خان نصیر نے اپنی پوری توجہ بلوچوں کی رزمیہ شاعری کے حوالے سے ان کارناموں پر مرکوز رکھی جو بلوچوں کی تاریخ میں شجاعت اور دلیری کے نمونوں کے

طور پر دکھائے جانے کے لائق تھے، اس لئے انہوں نے ان نظموں میں ان ابتدائی اشعار کو اہمیت نہیں دی جن میں مختلف شعراء نے حضرت امام علیؑ اور حضرت امام حسینؑ کے حوالے سے اشعار کہے ہیں اس کے باوجود میر گل خان نصیر کا یہ کہنا کہ واقعہ کربلا کے حوالے سے بلوچوں کو بات سمجھانا آسان ہے۔ اس بات کی تائید کرتا ہے کہ بلوچ سماج میں شیعیت کے اثرات بہت گہرے ہیں اور صرف حضرت علیؑ ہی کے مرید نہیں بلکہ بلوچ امام حسنؑ اور امام حسینؑ سے بھی اتنی ہی والہانہ عقیدت رکھتے ہیں جو شیعیان علیؑ کا خاصہ ہے۔

میر گل خان نصیر نے اپنی کتاب بلوچی رزمیہ شاعری میں جام درک کی نظم نقل کرنے کے بعد اس کا ترجمہ کیا ہے۔

خدایا مجھ پر اپنے کرم کی نظر کر   میں تیری رحمتوں کا طلبگار رہوں
یا شاہ مرداںؑ (حضرت علیؑ) مجھے سرفراز کر   مجھے تکلیف سے بچائے رکھ اور تندرستی دے

ملا بوہیر میرواڑی کی ایک نظم کا حوالہ دیتے ہوئے میر گل خان نصیر نے لکھا ہے

چٹان جیسی ڈھال کو ہاتھ میں لے کر تلوار کھینچ لی   اور یا علیؑ کا نعرہ لگاتا ہوا دشمن پر ٹوٹ پڑا

میر گل خان نصیر ایک بلوچی شاعر غدو ڈوم کا ذکر کرتے ہوئے اصل واقعہ لکھتا ہے جس نے انگریزوں سے جنگ کو نظم کا موضوع بنایا ہے شاعر انگریز کو یزید سے تشبیہ دیتے ہوئے کہتا ہے۔

جس سے گماں ہوتا ہے   واقعی یزید پھر سے زندہ ہو گیا

میر گل خان نصیر اپنی کتاب ''بلوچی عشقیہ شاعری'' میں رادت خان جلبانی کے اشعار بھی نقل کرتے ہیں جس میں اہلبیتؑ کی مدح سرائی کی گئی ہے۔

وہ اپنے کو تیغ ذوالفقار کی طرح
سان چڑھاتی (سنگھار کرتی) ہے

حبیب کلاتی کی نظم رند احوال ''لوٹاہتہ'' کا آغاز یوں ہوتا ہے

یا دخانین نام الٰہی
اللہ کا نام یاد کروں
من اوّل سرنادگاں
ستارہ سحری کے نمودار ہوتے ہی
حیدرؑ پشت پناہ دین
حیدرؑ میری پشت پناہ ہیں
حضرت آخر زماں
اور آخر زماںؑ بھی

بلوچی ادبی تاریخ میں رحم علی ایک ایسا شاعر تھا جو انقلابی شاعر کے نام سے جانا اور پہچانا جاتا ہے۔ ایک انگریز کے قتل میں ملوث ہونے کا الزام بھی رحم علی پر تھا۔ رحم علی کی ایک نظم کا حوالہ دیتے ہوئے میر گل خان نصیر نے اس نظم کا ترجمہ اس طرح کیا ہے۔

ہم (انگریزوں) سے
خدا کے حکم سے ضرور لڑیں گے
حضرت علیؑ دلدل سوار
آج ہماری مدد کو آئے
ہم انگریزوں کے سروں پر
سانپ کے سروں کی طرح لوٹیں گے

مست توکلی

بقلم میر مٹھا خان مری

بلوچی زبان کا مجذوب شاعر مست توکلی بلوچوں کے نامور قبیلے مری سے تعلق رکھتا تھا۔ مست توکلی مری علاقہ کے مرکزی قصبے ''کاہاں کے شمال مغربی حصے ''مائزک بند'' نامی ایک چھوٹی سی بستی میں 1831ء میں پیدا ہوا اس کی اہلبیتؑ سے محبت کسی معاشرتی اختلاط کا نتیجہ نہیں ہے۔ کیونکہ مست بلوچستان کے ایک دور دراز علاقے کا باشندہ تھا جو شیعہ مراکز تعلیم سے نا صرف بہت دور واقع تھا بلکہ اسے رسمی تعلیم کے مواقع بھی میسر نہ تھے۔ مست توکلی کے یہ اشعار اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ بلوچ نسلاً شیعہ تھے۔ میر مٹھا خان مری نے اپنی کتاب ''سمو بیلی مست'' میں مست توکلی کی فکر اور فلسفہ حیات کو نہایت اچھے پیرائے میں اردو زبان وادب کے قارئین تک پہنچایا۔ مست توکلی کی نظموں پر تبصرہ کرتے ہوئے میر مٹھا خان مری لکھتے ہیں کہ ''مست طبعاً ہر قسم کی دراز دستی جبر و تشدد اور ظلم و بے انصافی کے خلاف شدید جذبہ رکھتا ہے اور وہ اپنے اشعار میں یزیدیت کے خلاف حسینیت کی حمایت میں یوں نعرہ بلند کرتا ہے حسینؑ کے قاتلوں کے خلاف ہماری جنگ جاری رہے گی۔''

میں امامؑ کی جماعت کا حامی اور مددگار ہوں

اس طرح مست توکلی کی ایک نظم کا ترجمہ میر مٹھا خان مری نے یوں کیا ہے

آؤ کہ اس جھوٹی دنیا کو تج دیں
آؤ کہ خدا کی امید کا سہارا لیں
ہمیں اللہ اور علیؑ سدا یاد ہیں
دوست اور دشمن پشت پر باتیں بناتے ہیں

ایک اور نظم میں مست توکلی بارگاہ رسالتؐ میں اپنی محبت و عقیدت کے پھولوں کا

نذرانہ پیش کرتا ہے اور آخر میں حضرت امام علیؑ کے بازوئے خیبر شکن کی تعریف میں یوں نغمہ سرا ہوتا ہے۔

میں اللہ کی قدرتوں کا ثناء خواں ہوں
اس کے رنگا رنگ مظاہر اور تخلیقات کا بیان کرتا ہوں
اس سخی کی رحمتوں اور مرحمتوں کو یاد کرتا ہوں
خدائے صمد کے عطا کردہ شیریں مشروبات کا شکر ادا کرتا ہوں
عالیشان باغات عطا کرنے کا احسان مند ہوں
آنحضرتؐ بنی نوع انسان کے لئے برگزیدہ ترین بادشاہ ہیں
وہ خوشی اور شادمانی کے پیغام لے کر آئے
میدان جنگ کے بہادروں کے پہلوان شاہ (حضرت علیؑ) ہیں
مردانہ وار قول نبھانے کی صلاحیت ان کی شان کا طرہ امتیاز ہے
اللہ اور علیؑ اچانک مدد کو پہنچے ہیں

میر مٹھا خان مری لکھتے ہیں کہ مست توکلی کو آنحضرتؐ اور اہلبیتؑ سے بے انتہا محبت اور عقیدت تھی وہ حضرت امام حسینؑ کی بے مثال ایثار قربانی کا بے حد مداح ہے اس لئے وہ خدا کی راہ میں جان و مال کی قربانی دینے کو افضل ترین عبادت خیال کرتا ہے۔

بی بی فاطمہؑ کے عظیم فرزندوں نے امت کو (قربانی کی) راہ دکھائی ہے
اہل درد کو بارگاہ ایزدی سے فتح و کامرانی نصیب ہوتی ہے
مست کا بیڑہ پار ہوگا فقط پانسہ پلٹنے کی دیر ہے

امام حسینؑ نے اعلائے کلمۃ الحق کے لئے جس ہمت و جرأت اور عزم و ثبات کا عملی نمونہ پیش کیا تاریخ عالم میں اس کی مثال ڈھونڈنے سے نہیں مل سکتی۔ توکلی مست کے نزدیک ظلم و تعدی، بے انصافی اور بے راہ روی کے خلاف امام حسینؑ کی جنگ و جہاد کا

سلسلہ ہنوز جاری ہے اور حق و باطل کی اس جنگ میں اپنے تئیں امام حسینؑ کی جماعت کا ایک سرفروش سپاہی تصور کرتا اور کہتا ہے۔

امام حسینؑ کے قاتلوں کے خلاف ہماری جنگ جاری ہے
مست، بی بی فاطمہؑ کے معصوم شہیدوں کا ہمرکاب ہے
شاہ (امام حسینؑ) کی شاہ عزیز اس کی تیغ جوہر دار ہے
اس کے روئے روشن اور طلائی ریش مبارک کے نثار جایئے
شاہ (علیؑ) تیرے ابرو (حسنینؑ) دو خوشنما پھول ہیں
تیری دستار کے خم و پیچ میں زامر کا سا پیچ و تاب ہے
میں تیرے سر پر پھولوں سے تیار شدہ سہرا اٹھا رکھوں گا
تاکہ یزید کے کنار کا وار روک لوں

(بلوچستان میں پیروان علیؑ مصنف پروفیسر آغا محمد ناصر صفحہ 149 تا 152)

''مست توکلی''

بقلم ذکیہ سردار بلوچ

طوق علی مست المعروف مست توکلی کی سوانح حیات محترمہ ذکیہ سردار بلوچ نے ''سرمست بلوچستان'' کے نام سے تحریر کی ہے جسے 1965ء میں بلوچی اکیڈمی کوئٹہ نے شائع کیا۔ مصنفہ نے بلوچ قوم کی رسوم، طوق علی مست کی سوانح حیات، مست توکلی کی کرامات و شاعری اور مجموعہ کلام حضرت مست توکلی پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ محترمہ ذکیہ سردار بلوچ نے مست توکلی کی بیس نظمیں اپنی کتاب ''سرمست بلوچستان'' کے باب چہارم ''مجموعہ کلام حضرت مست'' میں تحریر کی ہیں۔ ان بلوچی نظموں کا اردو ترجمہ بھی مصنفہ نے تحریر کیا ہے۔ ہم یہاں طوق علی مست کی بعض نظموں کے اقتباسات پیش کر رہے ہیں جو اہلبیتؑ کی مدح سرائی میں

ہیں۔ طوالت کے خوف سے صرف اردو ترجمہ ہی تحریر کیا جا رہا ہے۔

نظم نمبر 1

سردیوں کی لمبی راتوں میں اسی فکر اور ذکر میں رہتا ہوں
پاک جام شہادت کا طلب گار ہوں
دونوں شربتوں کے رنگ (یعنی خون شہادت اور جام بہشت) سرخ ہیں
حضرت علیؑ کے دونوں صاحبزادوںؑ نے نوش فرمائے
نوران کے چشم مبارک سے برستا ہے
اور اپنے سچے قولوں کے پابند ہیں
دوست عزت و آبرو کی فکر میں پڑے ہوئے ہیں
یہ آپ کے دروازے انسانوں کی نشانی ہیں
میں قلندر شہباز کے روضہ مبارک کو سلامی دیتا ہوں
میں اپنے دوست کے گنبد کے دیدار کا مشتاق ہوں
مست کہتے ہیں کہ میرے پاس حاضری دو
تاکہ تمہاری مرادیں پوری ہوں

(سرمست بلوچستان صفحہ 115 تا 117)

نظم نمبر 2

سردیوں کی لمبی راتیں بڑی مصیبت میں گزریں
اور تمام دن خیالات میں گزرتا تھا
حضرت علیؑ کے ساتھ ربط ہو گیا
اور ہم نے ہاتھ عرش کی سنہری قندیل کو لگایا
اس صحیح ضامن (نبیؑ پاک) کے دربار مبارک میں

لائی گئی وہ چیزیں جو کسی کے دیکھنے میں نہ آئیں
سوار (تصوف کے مرد میداں) وہ ہیں جو دائی سوار ہیں
حضرت علیؑ کے ارشادات سے باخبر ہیں
بے خبر وہ لوگ ہیں جو بے سمت دوڑتے ہیں

(سرمست بلوچستان صفحہ 127 تا 129)

نظم نمبر 3

اور اپنے سردار بگٹی کی مجلس اسے نصیب ہوئی
ہمارے نبی پاک محمدؐ سونے کے تاج والے ہیں
آپؐ کے دوست آپؐ کے ساتھ ہیں
ہر حج پر حضورؐ پاک حاجیوں کے ساتھ ہیں
ہمارا دوست سرور کائنات اپنے محبوب پاک
ہاتھوں سے وضو فرماتے ہیں

(سرمست بلوچستان صفحہ 131)

نظم نمبر 4

اولاد نبیؐ پاک قدرت کے سنہری چشمے ہیں
جن کے سائے میں امام جعفر (صادقؑ) کے باغ (اولاد) سے خوشبو ہے
ان کی نہایت نازک میوہ (اولاد) سے خوشبو کی مہک آتی ہے
اے میرے دوست میرے درد کا علاج کرنا چاہتے ہو
اے محبوبؒ سبحانی میری مشکلوں کا آسان کر
میری عرض اور فرض اپنے نبیؐ کے سامنے پیش ہیں
اور وہی اکیلے شفاعت و بخشش کرنے والے ہیں

قیامت کے دن آپؐ کی چادر (شفاعت ورحمت) کے نیچے بیٹھیں گے

(سرمست بلوچستان صفحہ 133)

نظم نمبر 5

ساون کا موسم ہے ہر صبح میرے دم میں موجیں اُٹھتی ہیں
سوا لاکھ پیغمبروںؑ کے ساتھ اللہ کو یاد کرتا ہوں
سردار محمد مصطفیٰؐ، حضرت علیؑ اور شہباز قلندر
اُمت کے سرتاج محمدؐ سب کے امام ہیں
صبح وشام طوق علی مست کے مددگار ہیں

(سرمست بلوچستان صفحہ 155)

نظم نمبر 6

حضرت امام حسینؑ کی غصے والی چال شیروں کو شرماتی ہے
عرب کے بہادر بہت ہیبت ناک ہوتے ہیں
ہماری حضرت امام حسینؑ کے قاتلوں سے جنگ ہے
حضرت امام حسینؑ بزرگوں کے گروہ کے ساتھ ہیں
مست امام حسینؑ کی زوجہ پاک کے معصوموں کے ساتھ ہے
حضرت امام حسینؑ اپنی مرصع وجواہر دار تلوار کے ساتھ
آپؑ کے ابرو مبارک دو پھول ہیں
آپؑ کا چہرہ مبارک سونے جیسی ریش مبارک کے ساتھ بھلا لگتا ہے
آپؑ کی بڑی دستار مبارک مشک کی خوشبو میں بسی ہوئی تھی
کیسے حسین انداز سے آپؑ نیچے گھیرے والا جبہ زیب تن کرتے ہیں
آپؑ کے سر مبارک پر پھولوں کی ڈھال سے حفاظت کرتا ہوں

تا کہ یزید کے چھروں کے وار کورد کروں
اپنے محبوب (امام حسینؑ) کے ساتھ جنت کے جھولے جھولوں
خوشدلی کے ساتھ اپنے لعل نما محبوب کے ساتھ شربت نوشی کروں
اپنے دوست (امام حسینؑ) کے لئے سب لوگوں سے
نیک نیتی چاہتا ہوں اس دنیا کی حرفت وکشمکش
اس جھوٹی دنیا میں بیوی اور بچے چار دن کا دکھاوا ہیں
میں اللہ تعالیٰ کی قدرتوں کو ایک جگہ جمع کرتا ہوں
اور اس ذات پاک کی سخاوت اور بخششوں کو اُجاگر کروں گا
میں میٹھے بادامی رنگ کا شربت چوستا ہوں
پکے ہوئے بادشاہی باغوں سے
بادشاہ (حضرت علیؑ) بہت ہی اچھی سخی ہستی ہیں
ہر خوشی شادی و بیاہ میں ساتھ رہا ہے
ان کو ہر وقت شیروں کی طرح لڑائی میں فتح ہے
ہر وقت خوش اخلاق تنومند ہیں
نقرئی چودھویں کے چاند ہیں
لڑائیوں کے گھمسان میں حضرت علیؑ پہلوان ہیں
لوگوں کے عہد اور شان کو برقرار رکھنے والے ہیں
اللہ ذات پاک حضرت علیؑ سے بخوبی واقف ہے
ہر سوال و جواب کے وقت میں وہ اللہ کے حضور میں حاضر ہیں
ہر کام اور معاملہ کے ناظر ہیں
دہلی سے آباد و شاداب خراساں کے بادشاہ تک

کوہ بھیو اور سندھ سہواں تک
رب کے فرمان سے دو قلندر رہیں
دونوں دوستوں کو حضرت علیؑ نے فیض بخشا
مست کی جگہ کوہ سلیمان میں ہے
حضرت علیؑ کی حبُ ونگہبانی میں رہتا ہے
بہادری حضرت علیؑ شیر کا حق ہے
تمام امت کاے والی محمدؐ پاک ہیں
ابلیس کے ورثے میں جنگ وجدل ہے
تاج یعنی سرداری محمدؐ پاک کو مبارک ہو

(سرمست بلوچستان صفحہ 185 تا 195)

نظم نمبر 7

رات خواب میں دودا میں نے دیکھا
کہ میں نے سنا ہے کہ ہاں کو کافروں نے گھیرا ہے
اب وطن بےگانہ ہو گیا میں کس سے حال پوچھوں
ہم اللہ اور حضرت علیؑ کو یاد کرتے ہیں

(سرمست بلوچستان صفحہ 199)

نظم نمبر 8

سموطوق علیؑ کا بیڑا الپیٹ میں لائے گا پہاڑوں کو
حضرت فاطمہؓ کے لالؑ اپنے امتیوں میں سے عشق جیت گئے
مست فرماتے ہیں کہ رحمتیں اور فتح اللہ پاک کی درگاہ سے نصیب میں آتی ہیں

(سرمست بلوچستان صفحہ 219)

"پنج گلدستہ زیب"

مصنف نواب گل محمد زیب مگسی

بلوچستان میں فارسی زبان کے بہت ہی نامور شاعر جناب گل محمد خان زیب مگسی کے نام سے کون واقف نہیں۔ آپ بلوچستان اور سندھ میں آباد مگسی قبیلہ کے سردار تھے۔ زیب مگسی 1883ء میں نواب قیصر خان مگسی کے یہاں پیدا ہوئے۔ آپ کی شاعری کا مجموعہ "پنج گلدستہ زیب" 1931ء کو نولکشور پریس لکھنؤ سے شائع ہوا۔ آپ نے امام علیؑ اور امام حسینؑ کی منقبت میں عربی اور فارسی میں جو اشعار کہے ہیں ان میں سے چند درج ذیل ہیں اس کے علاوہ ان کے اردو کے چند اشعار قارئین کی خدمت میں تحریر کرتے ہیں۔

O

زین حادثئه سخت ہر انسان بلر زید
ہر حورو ملک و عرش الرحمن بلر زید

این روز نه روزی فرح و عیش و سرور است
این روز فغان ست نه زایام امور است

امروز کند ماتم آن را که شعور است
از گریه بتو تحفئه رحمت بفر سند

الواح بشویند گناہت نه نو یسند
شہزاده چو در دشت مصیبت شده مجروح

بر چرخ چہارم شده افتان و پتان روح
آواره شده خضر زداز نوحه صدا نوح

دردازئه غم بررخ عالم شده مفتوح
مه چاک شده از الم ماتم سید

رد پیر فلک جامه به نیل از غم سید
از دل بکش آہی به غم سبط محمدؐ

میجوی پناہی به غم سبط محمدؐ
افگن تو کلاہی به غم سبط محمدؐ

اس زیب نگاہی به غم سبط محمدؐ
تا از تو فراموش شود حزن زمانه
ہر روز ازین ماتم بر گوی فسانه

O

قصیدہ درصنعت اطرار

خلیل باغ سخا کلیم طور ھدیٰ
ذبیح کوی رضا مسیح اوج بقا
گل مبارک از باغ احمد عربی
چراغ کاخ علی الولی شیر خدا
عجیب سہروز گلزار سید شہداء
ستارۂ فلک شرف فاطمہ زہرؑا
ضیاء دیدہ زین العبؑا وہم باقرؑ
امام اہل عمل پیشوائی اہل وفا
ولی پاک ولی عبد جعفر صادقؑ
امام موسیٰ کاظمؑ رحیم و باب رضاؑ

منقبت مولا علیؑ کے دوشعر ملاحظہ فرمایئے

تو ہر درویش راپیر و پناہی
تو ہر اندیشہ رامشکل کشائی
بکن درد و سرا این زیب را شاد
کہ میدانم شہہ ہر دوسرائی

زیب مگسی کے ان فارسی اشعار کے علاوہ ان کے اردو کلام میں اہلبیتؑ اظہار سے محبت وعقیدت کا جو اظہار ملتا ہے اس حوالے سے بھی قابل توجہ ہے یہ اشعار ان کی غزلوں میں ہیں۔

حرؑ کی مانند پروائے حکومت کیا رکھے
جس کو دل میں عشق ہے آل رسولؐ اللہ کا
اگر دیکھا ہے تم نے ابر گوہر بارکورندو
تو مت پوچھو کہ تھا بخشش میں دست مرتضیؑ کیسا
قیامت کا خطر کیا مجھ کو زیبا جبکہ مدت سے
ثنائے راکب دلدل ہے درد صبحدم میرا

حضرت علیؑ کی شان میں چند اشعار

گرچہ فتنہ نما ہے چرخ لیکن عاقبت
تیغ مہدیؑ ہے جہاں دارالامن ہوجائے گا
حیدرؑ کی ہے قسم کہ ہے برسوں کا تجربہ
حیدرؑ سے جو پھرا تو اسی سے خدا پھرا
تونگر کا اگر ہے زور دولت
ہمارا زور ہے حیدرؑ کی طاقت

ایک قصیدے کے یہ اشعار

نہیں ہے دل میں اگر علیؑ کا عشق
تو پھر مسیح تیرا یہ معراج آسمانی ہیچ
نہیں ہے گریہ محرم میں گر تجھے اے شیخ
تو پھر یہ زہد و ریاضت یہ درد خوانی ہیچ
جلوہ گر ہے نالہ داروں میں نجف کا پاسبان
شحنہ کو آنا ہے لازم شہر کے غوغا کے پیچ

مولا علیؑ کی شان میں ایک اور قصیدہ

ابر کی تاریکی میں رہ ڈھونڈھتے ہیں برق سے
معصیت میں بھی نظر رکھ حیدرؓ کرار پر
تیغ دشمن کند ہے اس پر پڑھے جو بار بار
لافتیٰ الا علیؑ الا سیف الاذوالفقار

تبصرہ مولف: درج بالا اشعار میں جس عقیدت اور محبت کا اظہار محمدؐ اور آل محمدؐ سے کیا گیا ہے وہ اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ بلوچ سماج میں حضرت علیؑ کی محبت کی جڑیں گہری ہیں اور اس کا سلسلہ روز اوّل سے ہے۔

''جنگ نامہ تحفۃ النصیر''

مصنف قاضی نور محمد گنجابوی

علامہ قاضی نور محمد گنجابوی کی کتاب ''جنگ نامہ تحفۃ النصیر'' بھی ایک اہم کتاب ہے قاضی صاحب میر نصیر خان نوری کے ایک درباری مصاحب تھے۔ قاضی صاحب نے نصیر خان نوری کے دور میں فارسی میں نظم تحریر کی ہے۔ جس میں اس دور کے تاریخی واقعات کے علاوہ بلوچوں کے حسب ونسب کے حوالے سے بھی ایک طویل نظم ہے جو اس کتاب کے صفحہ 38 تا 40 پر ہے۔ چونکہ نظم فارسی میں ہے لہٰذا اس نظم کا اردو خلاصہ قارئین کے بہترین استفادہ کے لئے تحریر ہے۔

اس نظم میں بھی بلوچوں کو امیر حمزہؓ کی اولاد بتایا گیا ہے لیکن شاعر اس بات کی وضاحت بھی کرتا ہے کہ چونکہ امیر حمزہؓ اولاد نرینہ نہیں رکھتے تھے اس لئے ان کی بیٹی سے جو نسل چلی وہ بلوچ کہلائی جو انتہائی بہادر، مہمان نواز اور صحراؤں میں کالے خیموں میں رہتے تھے اور اہلبیتؑ کی محبت سے سرشار تھے۔ جب یزید حکمران بنا تو رند، لاشار، ہوت، جتوئی اور کورائی نام کے پانچ بھائی میدان کربلا میں امام حسینؑ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں اور یزید کے خلاف لڑنے کی اجازت مانگتے ہیں لیکن امام حسینؑ انہیں واپس لوٹا دیتے ہیں، جس کے بعد میدان کربلا میں امام حسینؑ اور ان کے اصحاب کی شہادت کا واقعہ پیش آتا ہے۔ جس کے بعد یزید سیہ دل کے پاس آل نبیؐ کو شام لے جانے کا ذکر اور آل رسولؐ کے ساتھ یزید کے ظلم وستم کا بیان ہے۔ اور بلوچوں کی حلب کی طرف ہجرت کے احوال کے ساتھ ساتھ ایک انتہائی اہم بات یہ کہ امام حسینؑ کی شہادت کے بعد بلوچ ایک سال تک

سوگ مناتے رہے اوراس سوگ کے دوران ایک سال تک انہوں نے اپنے بال نہیں تراشے۔اس کے کچھ عرصے کے بعد بلوچ حلب سے کرمان،مکران اور کیچ کی طرف ہجرت کرتے ہیں۔اس نظم کے مطابق آج بھی ماتم کی رسم تمام بلوچوں میں موجود ہے۔اورتمام بلوچ اپنے بال نہیں تراشتے تھے۔آج بہت سے بلوچ بال نہیں تراشتے جن میں مری اور بگٹی خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔

(بلوچستان میں پیروان علیؑ مصنف پروفیسر ڈاکٹر آغا محمد ناصر صفحہ 101 تا102)

مناقب اہلبیتؑ بقلم عبدالحق بروہی

عبدالحق بروہی ڈیرہ مراد جمالی ضلع نصیر آباد کے رہنے والے ہیں۔آپ براہوی زبان کے علاوہ اردو زبان میں بھی شاعری کرتے ہیں اور آپ کی تقریباً تمام شاعری اہلبیتؑ کی مدح سرائی میں ہے۔ہم یہاں ان کے کچھ براہوی کلام اور کچھ اردو کلام اپنے قارئین کے استفادہ کے لئے پیش کررہے ہیں۔

براہوی زبان کا نوحہ

یاحسینؑ یاحسینؑ یاحسینؑ یاحسینؑ
لرزا زمین آسمان ماتم کرے مچا جہاں
ماتم کرے شمس و قمر ماتم کرے جن و بشر
یاحسینؑ یاحسینؑ یاحسینؑ یاحسینؑ
مشرق وغرب ماتم کرے عرب وعجم ماتم کرے

بعض ہوغا جنت رضوان ماتم کرے ہوحور وغلمان
یاحسینؑ یاحسینؑ یاحسینؑ یاحسینؑ
صالحؑ ادریسؑ ہم ہوغار نوحؑ و یونسؑ غم ئے بیقرار
ابراہیمؑ و موسیٰؑ ماتم کرے بس ہر نبیؑ نادا توار
یاحسینؑ یاحسینؑ یاحسینؑ یاحسینؑ

مُچا جہاں حسینؑ نا

داڑ غار حسینؑ نا آسمان حسینؑ نا
مشہور سخاوت حسینؑ نا مُچا جہاں حسینؑ نا
حسینؑ نا فضیلت ہر فبو خداؤ رسولؐاں
حسینؑ عاشق خدا نا خدا رحمن حسینؑ نا
حسینؑ شرق وغرب ناوالی حسینؑ صاحب لولاک لما
قسم حسینؑ نا مُچا جہاں حسینؑ نا
حسینؑ نواسہ رسولؐ نور حسینؑ نا
بن فریاد بندہ حق نا کرف دیدار حسینؑ نا
حسینی دار کروڑاک سوالی ئے سوالیتین ہم اسٹس بفک خالی
ارے مشہور سخاوت ازلاں حسینؑ نا
قسم حسینؑ نا مُچا جہاں حسینؑ نا

کنا پیرو مرشد حسینؑ ابن علیؑ

کنا پیرو مرشد حسینؑ ابن علیؑ
ہر درد نادوائے حسینؑ ابن علیؑ
دین و دنیا نا شعار حسینؑ ابن علیؑ
قبر و محشر ناشعار حسینؑ ابن علیؑ
الحسینؑ منی و انا من الحسینؑ پارے پاک رسولؐ
ہمو فرمان مصطفیٰؐ نا حسینؑ ابن علیؑ
یزید و لشکر لعنت خلنگ کنا دین
انتے کہ ننا پیر مولا حسینؑ ابن علیؑ
سوا لکھ پیغمبرا تینؑ ہر فنگ متوباریم کربلانا
کرے قبول اللہ نا رضائے حسینؑ ابن علیؑ
حسینؑ رحیم حسینؑ کریم ناطق قرآن حسینؑ ابن علیؑ
بندہ حق نا عبادت حسینؑ ابن علیؑ

امداد کُن امداد کُن

اے حسینؑ اے شہید کربلا اے دافع کرب وبلا امداد کُن امداد کُن
گل رضا شھزادۂ گل قبا امداد کُن امداد کُن
اے شہید زمرزار دروز سپر زھرت از یبار تسلیم ورضا امداد کُن امداد کُن

اے سرتا پا شبیہہ مصطفیٰؐ امداد کُن امداد کُن

عبدالحق بروہی صاحب کے براہوی کلام کے بعد اب کچھ اردو کلام بھی ملاحظہ فرمائیں۔

کون حسینؑ؟

جو دہکتی آگ کے شعلوں پہ سو یا وہ حسینؑ
جس نے اپنے خون سے عالم کو دھویا وہ حسینؑ
جو جوان بیٹے کی میت پہ نہ رویا وہ حسینؑ
جس نے سب کچھ کھو کے بھی کچھ نا کھویا وہ حسینؑ
جس نے اپنے بچوں کی دے دی سخاوت وہ حسینؑ
ہنس کے جس نے پی لیا جام شہادت وہ حسینؑ

حسینؑ کیا ہے؟

نہ پوچھ میرا حسینؑ کیا ہے نہ پوچھ میرا حسینؑ کیا ہے
حسینؑ مفہوم دین ایمان ہے حسینؑ مفہوم ہل اتی ہے
حسینؑ دل ہے حسین جان ہے حسینؑ قرآن کی زبان ہے
حسینؑ فرقان کی سلطنت ہے حسینؑ اسرار کا جہاں ہے
حسینؑ مسجدوں کی سرزمین ہے حسینؑ ذہنوں کا آسماں ہے
حسینؑ زخموں بھری جبین ہے حسینؑ عظمتوں کا آستاں ہے

اٹھا رہا ہے جو لاشِ اکبر حسینؑ بوڑھا نہیں جوان ہے
وہ سر بلند سر سنا ہے وہ بدر افلاک آدمیت ہے
وہ صدا رباب کربلا ہے نہ پوچھ میرا حسینؑ کیا ہے
جہان عزم وفا کا پیکر جمال زہرہؑ جلال حیدرؑ
ضمیر انساں نذیر داور دریائے صبر و رضا کا دلبر
حسینؑ تصویر انبیاؑء ہے حسینؑ کامل مصطفیٰؐ ہے
حسینؑ اہل وفا کی بستی حسینؑ آئینِ حق پرستی
حسینؑ صدق و صفا کا ساقی حسینؑ چشم ان کی مستی
حسینؑ پیش ازم عدم تصور حسینؑ بعد از قیام ہستی
نہ پوچھ میرا حسینؑ کیا ہے نہ پوچھ میرا حسینؑ کیا ہے

آلؑ محمدؐ کو ایمان سمجھتا ہوں

میں آل محمدؐ کو ایمان سمجھتا ہوں
فرمان جو ان کا ہو قرآن سمجھتا ہوں
ہے کوئی ایسا جو مدد کر دکھلائے ورنہ
جو موت سے گھبرائے بے ایمان سمجھتا ہوں
حیدرؑ کے اصولوں کو میں جان سمجھتا ہوں
ممبر تھا پالانوں کا جو راہ پہ بنوایا ہوں

اور تھام کے بازو بھائی کا یہ سب کو دکھلایا ہوں
یہ میرا وصی ہے لوگو اسے میں جان سمجھتا ہوں
جو اس کو نہ مانے گا اسے بے ایمان سمجھتا ہوں
میں آل محمدؐ کو ایمان سمجھتا ہوں
فرمان جو ہو ان کا قرآن سمجھتا ہوں
میں آل محمدؐ کو ایمان سمجھتا ہوں

لگا دے نعرہ زور سے

نہ ڈر کسی اور سے لگا دے نعرہ زور سے
سنبھل جا اے کافرا ہے تیرا مقابلہ علیؑ شاہ زور سے
نہ ڈر کسی اورسے لگا دے نعرہ زور سے
نبیؐ نے علم دیا علیؑ نے ثابت کیا خیبر کا درتوڑ کے
نہ ڈر کسی اور سے لگا دے نعرہ زور سے
قضا کی نبیؐ کے لئے نماز علیؑ نے
نبیؐ نے علیؑ کے لئے سورج دیا موڑ کے
نہ ڈر کسی اور سے لگا دے نعرہ زور سے
علیؑ سے لینا ہے لے مدد علیؑ نے دیا ہے مجھے
نہ ڈر کسی اور سے لگادے نعرہ زور سے

دُعا

یا الٰہی رحم فرما محمد مصطفیٰؐ کے واسطے
یا رسولؐ اللہ کرم کیجیے رب العلیٰ کے واسطے
مشکل میری حل کرو مشکل کشا کے واسطے
کر بلائیں دور شہید کربلا کے واسطے

رحمت اللہ ڈومکی درمدح اہلبیتؑ

(بلوچی نعت اور اردو ترجمہ)

مئین ساہ تھئی سرا آ قربان یا محمدؐ
میری جان آپؐ پر قربان یا محمدؐ
نظر کرم کھنے تھا احسان یا محمدؐ
نگاہ کرم کیجیے آپؐ کا احسان یا محمدؐ
اللہ تھئی منتظر معراج تھئی سفر
معراج آپؐ کا سفر ہے دربار الٰہی میں
دربار رب تعالیٰ یا مہمان یا محمدؐ
دربار الٰہی میں آپؐ مہمان ہیں یا محمدؐ
مئین ساہ تھئی سرا آ قربان یا محمدؐ
میری جان آپؐ پر قربان یا محمدؐ

تسنیم کوثر تھئی اختیار تھئی دوئیں جہاں مختیار
کوثر و تسنیم اور دونوں جہاں آپؐ کے اختیار میں
ہر دور تھئی محتاج ہر زمان یا محمدؐ
ہر وقت اور ہر زمانہ آپ کا محتاج ہے یا محمدؐ
طٰہٰ مزمل یٰسین تھہ صادق تھوی امین
طٰہٰ مزمل یاسین آپؐ صادق اور آپؐ امین
صفت ثناء تھئی ظاہرین از قرآن یا محمدؐ
آپؐ کے اوصاف قرآن سے ثابت ہیں یا محمدؐ
مشتاق من تہ استاں تھئی دیدار کسو مستاں
میں قائل ہوگیا جب سے روحانی ملاقات ہوئی
اے رحمت اللہ کنرا تھئی پہچان یا محمدؐ
اب رحمت اللہ نے آپؐ کو پہچان لیا یا محمدؐ
مئین ساہ تھئی سرا آ قربان یا محمدؐ
میری جان آپؐ پر قربان یا محمدؐ

بلوچی حمدیہ نعت اردو ترجمہ

سری کھناں حمد اللہ اسم ذات بادشاہ
پہلے اللہ کی تعریف بیان کرتا ہوں جو بادشاہ ہے

صمد بے نیاز بے پرواہ مالک بر روح ساھ
وہ بے نیاز بے پرواہ وہ روح جسم و جان کا مالک
آھیں شان جلال جاہ اکبر کبیر فتاح
اس کی شان و دبدبہ جلاہے وہ سب سے بڑا ہے
تھوے مالک دوئیں جہان تھئیں افضل اعلیٰ شان
وہ دو جہانوں کا مالک سب سے اعلیٰ اس کی شان
تھئیں زمین آسمان شف روشن ملک مکان
زمین اور آسمان دن اور رات سب تیرے ہیں
پیغمبر اولیاء مستان فقیر شہید تخت سلطان
پیغمبر والی مجذوب فقیر شہید تاجدار بادشاہ تیرے
پیغمبر باز بے شمارا یکھ لکھ بیست و چھار ہزاران
پیغمبر تو بہت ہیں تقریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار
گل سچائیں دیندارں پختہ قول اقرارں
سب کے سب سچے دیندار وعدے کے پکے ہیں
کل مئیں واجبہ سرداراں کل بے فکر میاراں
سب میرے آقا اور برحق اور سب معصوم ہیں
کھنان تعریف محمدؐ رسول ؐپاک احمدؐ

تعریف کرتا ہوں محمدؐ رسول پاک کی جو احمد ہیں
عبداللہ ولبند لخت جگر فرزند
حضرت عبداللہؓ کے بیٹے اور جگر کے ٹکڑے ہیں
بیسا پیدا عرب جام ملک حجاز اعلیٰ مقام
آقا عرب کے علاقے حجاز میں پیدا ہوئے
نبوت سری امام من استاں تھئی در غلام
نبیوں کے امام ہیں آپؐ کے دربار کا خادم
پڑھا درودکلمو اتھوے رسول تھوے مولا
کلمہ درود پڑھ کر کہتا ہوں آپ رسولؐ و مولا ہیں
تھئی شان افضل اولا نیستن شک بھلا بھولا
آپؐ کی شان اعلیٰ و افضل اس میں شک نہیں
حُسن تھئی پاک اے پرور کھناں ماند شمس قمر
آپؐ کے حُسن سے سورج اور چاند مدھم ہیں
ابرو تلوار تیز خنجر پلک گولی آن پآراثر
آپؐ کے ابروتلوار وخنجر سے تیز پلک گولی کی طرح
زلف مثل بادل ککر دندان موتہ سفید مرمر
آپؐ کی زلفیں بادل اور دانت سنگ مرمر کی طرح سفید

چہرہ مشتاق کھن بے خبر کھناں دیدار کیئ لشکر
چہرے نے کتنے بے ہوش کئے کتنے دیکھنے والے
تھوے یکھ ذات بے نظیر تھوے دنیا مزیں امیر
آپؐ کا وجد ایک آپؐ بڑوں سے بڑے ہیں
تھوے نوارانی نور پیر لقب تھئی باذاں اے منیر
آپؐ اللہ کے نور اور آپؐ کا لقب منیر ہے
تھوے شافع روز محشر تھوے ساقی حوض کوثر
آپؐ شافع روز محشر آپؐ ساقی حوض کوثر ہیں
تھہ مئیں مولا مناں امر مئیں گشی ایمان بے فکر
آپؐ میرے مولا بغیر ڈر کے میں نے کہہ دیا
رحمت اللہ عرض کھن دلبر بخشی تھرا بندہ پرور
رحمت اللہ کہتا ہے آقا مجھے بخشوائیں گے
بیا آسان تھئی سکرات قبر نیامہ نبی وا ساتھ
میری منزل آسان قبر میں نبیؐ میرے ساتھ
منکر نکیر کھناں جات اے انسان چا چھوئیں صفات
منکر نکیر اعمال دیکھ کر کہتے ہیں اس میں کیا کمال
فرشتہ گندا بیاں حیران مولا تھئی اے چھوئیں انسان

یہ دیکھ کر فرشتے حیران اللہ یہ تیرا کیسا بندہ ہے
گنہگار را بیسا مہربان بے شک اسئتے تھا غفور رحمن
گنہگار پر مہربان بے شک اللہ غفور و رحمن ہے اللہ
ظاہر کھانئیے شان کافر منکر ششاں بیماں
رحمت اللہ نبی کی شان سے کافر منکر جلتے ہیں

بلوچی منقبت در مدح پنجتنؑ پاک اردو ترجمہ

یاد کھناں من دسی وسلیہ پنج تن
میں اپنے سہارے پنج تن پاکؑ کو یاد کرتا ہوں
پیغمبر پنج تن پیغمبر یا علی حیدرؑ
نبیؐ پاک اور حضرت علیؑ کو پکار کہ
پاک محمدؐ پردہ رکھے شافع روز محشر
نبیؐ پاک میری لاج رکھنا آپ شافع روز محشر ہیں
شافع روز محشر یاعلی حیدر
روز محشر میں آپ بھی یاعلیؑ حیدر شافع ہیں
یادکھناں من وسی وسلیہ پنج تن
میں اپنے سہارے پنج تن پاکؑ کو یاد کرتا ہوں

مولا علی مئیں وارث استین فاتح خیبر
مولا علیؑ میرے آقا ہیں جو فاتح خیبر ہیں
فاتح خیبر یا علی حیدرؑ
خیبر کو فتح کرنے والے یا علیؑ حیدر آپ ہی ہیں
یاد کھناں من وسی وسلیہ پنج تنؑ
میں اپنے سہارے پنج تن پاکؑ کو یاد کرتا ہوں
حسنیناں ہر دم ساراں دوست دسی دلبر
حسینؑ و حسینؑ کو یاد کرتا ہوں جو میرے دوست ہیں
دوست دسی دلبر یاعلی حیدر
یہی میرے دوست ہیں اور یاعلیؑ حیدر بھی
یاد کھناں من دسی وسلیہ پنج تن
میں اپنے سہارے پنج تن پاکؑ کو یاد کرتا ہوں
رحمت اللہ اے فریاد کنتھ بخش منی پرور
رحمت اللہ یہ پکار کر کہتا ہے اللہ مجھے بخش دے
بخش مناں پر ور یا علی حیدر
اے اللہ مجھے بخش دے بحق یا علیؑ حیدر

بلوچی مرثیہ (اردو ترجمہ)

زحمانی سایام پڑھ گند نمازا
تلواروں کے سائے میں نماز پڑھ کر دیکھ
اے بندہ مومن تھا سمجھ اے رازا
اے بندہ مومن اس راز کو جان لے
حسین منی و انا من الحسین
حسینؑ مجھ سے ہے اور میں حسینؑ سے ہوں
نالا مصطفیٰ حدیث ھذٰا
یہ نبیؐ پاک کی حدیث ہے
دشمن حسین دشمن اسلام
جو حسینؑ کا دشمن ہے وہ اسلام کا دشمن ہے
حق و باطل کھنہ تھہ اندازا
حق و باطل کا خود اندازہ کرلیں
مومن ہر وقت قربانیاں دیاں
مومن ہر وقت قربانیاں دیتے ہیں
کربلا واقعہ یاد کھناں نازا
اور واقعہ کربلا کو دہراتے رہتے ہیں

کربلا غم بے تاب کھنئیں
مجھے کربلا کے غم نے بے تاب کر رکھا ہے
ئین طاقت بیان زبان نازسازا
میری زبان نا چار کو قوت گویائی نہیں
من مولا زیار تا انشاء اللہ رواں
میں مولا کی زیارت کو انشا اللہ جاؤں گا
اُڈراں اے ھدے شاہین پروازا
شاہین کی طرح پرواز کرکے جاؤں گا
مظلوم کربلا سردار جنت
مظلوم کربلا ہی جنت کے سردار ہیں
رحمت اللہ پکاری شوادیسے آوازا
رحمت اللہ پکاررہا ہے مولا آپ آواز دیں

سندھی نعت (اردو ترجمہ)

آھلوں ہانڈے عرب ڈی کبڑو مدینہ دورآ
آؤ چلیں اب ملک عرب مدینہ کچھ دور نہیں
وئیس رہوں یثرب میں جھتے نبی جو نورآ
جا کر یثرب میں سکونت کریں جہاں نبیؐ کا نور ہے

کھڑو گالھ کیاں مان عجیبن جو
میں اپنے پیارے کی کون سی تعریف سناؤں
جیکو آئے سہارو غریبن جو ملے مقدر نصیبن جو
وہ غریبوں کے ہمدرد ہیں اور مقدر سے ملتے ہیں
سخاوت جن جی مشہور آمونکی پرین پھنجو کندا
محبوب اپنا بناتے ہیں اپنی چوکھٹ سے نہیں نکالتے
در کھوں کو نہ دھکاریندا مسکرائے پیار ڈیندا
وہ شفیق بن کر شفقت سے پیش آئیں گے
دل جن لائے مخمور آرحمت اللہ تے راضی رہیں
دل جن کے لئے بے چین رحمت اللہ سے راضی ہوں
مونکھے چھڈائیندا مھنجا ضامن وئیں وٹھندسی تن جو دامن
ضامن مجھے چھڑالیں گے میں ان کا دامن پکڑلوں گا
آھلوں ہابندے عرب ڈی کبڑو مدینہ دورآ
آؤ چلیں اب ملک عرب مدینہ کچھ دور نہیں

سندھی قصیدہ در مدح امام علیؑ (اردو ترجمہ)

پنج تن جو پیاسی آہیاں حبدار علی جے
مجھے پنجتنؑ سے محبت ہے اور علیؑ کا چاہنے والا ہوں

دنیا میں زندہ آہیاں آدھار علی جے

میں علیؑ کے سہارے زندگی بسر کررہا ہوں

کیر آچانی دنیا میں علی جوم

علیؑ کا کوئی مثل اور بدل نہیں ہے

ئھنا ہیں گھوڑہ تلوار علی جے

آپ کے گھوڑے اور تلوار کا بدل نہیں ہے

والی یثرب محمد شاہ نجف حیدر

مدینے کے آقا محمدؐ ہیں اور نجف کے شہنشاہ علیؑ ہیں

تمنا آحسنین عئین دیدار علی جے

مجھے حسنؑ اور حسینؑ کو دیکھنے کی خواہش ہے

رحمت اللہ مستانہ مونکھے محبت مویو

رحمت اللہ تجھے علیؑ کی محبت نے بے تاب کیا ہے

وئین گزاراں زندگی دربار علی جے

اب میں جا کر بقیہ زندگی علیؑ کے دربار میں گزاروں گا

دنیا میں زندہ آہیاں آدھار علی جے

میں علیؑ ہی کے سہارے زندگی بسر کررہا ہوں

سندھی بیت در مدح مولا علیؑ (اردو ترجمہ)

جیکو آیو در علی جے تھن جا تھیا مشکل حل

جو علیؑ کے دروازے پر پہنچا اس کی مشکل مٹ گئی

علی جی در کھون سوا نا ہیں دراصل

علیؑ کے در سخاوت رحم دلی کے سوا دوسری جگہ کہاں

علی جی حبدارن میں تھی وئیں تو شامل

پھر تو علیؑ کے چاہنے والوں میں گھل مل جائیں

رحمت اللہ ٹڈھن تو کھے ٹھینڈو معرفت حاصل

تب تو رحمت اللہ اس ذریعہ سے اللہ تک رسائی ہوگی

سندھی قصیدہ در مدح مولا حسینؑ (اردو ترجمہ)

مولا بنلد کیو تھنجو شان حسین

اے حسینؑ اللہ نے آپ کا رتبہ بلند کیا ہے

جندجان تو تاں قربان حسین

میں اپنی جان آپ پر نثار کروں یا حسینؑ

خدا جا پیارا نواسہ نبی

آپ اللہ کے دوست اور نبیؐ کے نواسے ہیں

توتے اللہ کیو احسان حسین

اللہ نے آپ پر احسان کیا ہے یاحسینؑ

مولا بنلد کیو تھنجو شان حسین

اے حسینؑ اللہ نے آپ کا رتبہ بلند کیا ہے

جندجاں توتاں قربان حسین

میں اپنی جان آپ پر نثار کروں یاحسینؑ

توں نور سرآپا سید سارو

آپ سر تاپا نور ہیں

تنجھو صفت کیو آقرآن حسین

آپ کی صفت تو قرآن نے بیان کی ہے یاحسینؑ

مولا بلند کیو تھنجو شان حسین

اے حسینؑ اللہ نے آپ کا رتبہ بلند کیا ہے

جندجاں توتاں قربان حسین

میں انی جان آپ پر نثار کروں یا حسینؑ

تنجھا نان بابا عئین امڑادا

آپ کے نانا، بابا، امی اور بھائی

سب سورھ تھیا سلطان حسین

سب بہادر اور نڈر ہیں مگر آپ انوکھے ہیں یاحسینؑ

مولا بلند کیو تھنجو شان حسین

اے حسینؑ اللہ نے آپ کا رتبہ بلند کیا ہے

جندجاں توتاں قربان حسین

میں اپنی جان آ پ پر نثار کروں یا حسینؑ

تنجھی دردن مونکھے دلگیر کیو

آپ کی تکلیف نے مجھے بے قابو کردیا ہے

آئے حب میں رحمت اللہ حیران حسین

آپ کی محبت نے رحمت اللہ کو بے بس کردیا یاحسینؑ

مولا بنلد کیو تھنجو شان حسین

اے حسینؑ اللہ نے آپ کا رتبہ بلند کیا ہے

جندجاں توتان قربان حسین

میں اپنی جان آپ پر نثار کروں یا حسینؑ

سندھی نوحہ درغم امام حسینؑ (اردو ترجمہ)

سینے میں سانڈھیو سور سیدجا دل میں درد

سینے میں اپنے آقا کا ایک درد لئے پھرتا ہوں

وات میں منجھے آئے وائی ہے حسین پکاریاں

میری زبان پر بس یہی کلمہ ہے کہ ہائے حسینؑ

جیرو جلایاں جوش میں جان سجو تھی گاریاں

اپنے کلیجے کو جلاتا رہتا ہوں اپنے تن کو نابود کرتا ہوں

وات میں منجھے آئے وائی ہے حسین پکاریاں

میری زبان پر بس یہی کلمہ ہے کہ ہائے حسینؑ

راہ تکاں تھو رہبر جو ویھٹو وات نہاریاں

راستہ پہ انتظار میں بیٹھا ہوں کہ کب آئیں گے

وات میں منجھے آئے وائی ہے حسین پکاریاں

میری زبان پر بس یہی کلمہ ہے کہ ہائے حسینؑ

حب رکھے حسنین جو ماں ساہ کھنڈی تھو ساریاں

میں محبت کرتا ہوں حسنینؑ سے دم دم یاد کرتا ہوں

وات میں منجھے آئے ائی ہے حسین پکاریاں

میری زبان پر بس یہی کلمہ ہے کہ ہائے حسینؑ

رحمت اللہ حب حسین میں ماں پاٹ کھے پاٹ تھی ماریاں

سندھی بیت در غم امام حسینؑ (اردو ترجمہ)

کربلا میدان میں اچی کوفی تھیا کھٹا

مقام کربلا پر سارے کوفی اور یزیدی اکھٹے ہو کر

چھوٹے درواز دین جو اد ہے کافر تھیا کٹا

دین سے خارج ہو کر وہ کافر بن کر آئے

علی جی اولاد تے آچی ظلم جا میھن وٹھا

علیؑ کی اولاد پر ظلم کی بارش کی طرح ٹوٹ پڑے

پھاڑ ہے سبھ لٹا مان روآن حب حسین میں

بس میں اپنے کپڑے پھاڑ کر محبت حسینؑ میں رو رہا ہوں

عبدالرحمن ڈومکی کا بلوچی کلام

(بلوچی حمد باری تعالیٰ اردو ترجمہ)

واہ واہ قرت تئی عجب انتظام

واہ واہ اللہ تیرا عجیب انتظام ہے

کھے خوشیاں مے کھے کھتیاں غما

کوئی خوشی میں ہے تو کوئی غم میں

تھوئے لاشریک لامکاں

تو لاشریک اور لامکان ہے

تھئی دستاں نت مولا دوئیں جہاں

مولا تیرے ہاتھ میں دونوں جہاں ہیں

بس نذر رکھنا سے رحم اے غا

بس تو سب پر نظر کرم کر

سائیں توبہ ذاریں تھئی درآم

ہم تجھ سے توبہ مانگتے ہیں

ھندیا کھندو خان گریں آنجا آغا

جہاں لوگ ہنستے ہیں تو وہاں رلاتا ہے

ھندیا گریوں خاں کھندے ناغا

جہاں لوگ رو رہے ہیں تو وہاں ہنسا رہا ہے

تھا بالکل وسیع دل کار کھنے

تو بالکل اپنی مرضی سے ہی کام کرتا ہے

تھرانین گوشغ چیا گستاما

مجھ سمیت تجھ کو کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا

تھئی نام نرالا نرالا ہیں تھئی کار

تیرا نام نرالا ہے اور تیرا کام بھی نرالا ہے

تھئی انت کھسانہ گتا پروردگار

تیرا راز کوئی نہیں جان سکا اے پروردگار

عبدالرحمن ڈومکی عبرتیں

عبدالرحمن ڈومکی کے لئے عبرت ہے

تاراجی بھغا اللہ چھیام

کہ تو کس چیز سے راضی ہوتا ہے

بلوچی نعت رسول مقبولؐ (اردو ترجمہ)

منا مدینا ے سک نوڑ تھی ئیں بعض

مجھے مدینے سے بہت محبت ہے

برسا کھنے شئوا ھفا بے انداز

تم یقین کرو مجھے بے حد محبت ہے

مدنی ے ملکا مزوالے تمام

شہر مدینہ بہت اچھا ہے

وسغیں رحمت مولا جام

وہاں مولا کی رحمت برس رہی ہے

خوش بیسی ایں جملے جہاں

وہاں خوش ہوئے ساری دنیا والے

اصل یک ہید نین ناراض

کوئی بھی وہاں ناراض نہیں ہے

دوستاں شوا د منا دے سے دعا یا

دوستو تم میرے لئے دعا کرو

بردآں گنداں مند مدسنیا یا

کہ میں بھی جاکر مدینہ دیکھوں

گل بی اے آوار یاد کھنے ہذا یا
تم سب اکھٹے ہوکر خدا کو یاد کرو
جئیں مئی لوغیں آگا جھکی بے وجہاز
کہ میں جلد از جلد آقا کی زیارت کو جاؤں
عبدالرحمن آایدا نئے آرام
عبدالرحمن کو یہاں آرام نہیں ہے
گلے غیں ڈومکی پری اے پیار ارام
یہ ڈومکی آپؐ کے عشق میں گھل رہا ہے
بروآں کفاں ما نبی در آم
میرا دل کرتا ہے کہ میں نبیؐ کے دروازے پر پڑ جاؤں
ہر ٹیم گرے غاپ چھم استا ساز
میری آنکھوں سے ہر وقت آنسو جاری ہیں

بلوچی قصیدہ در مدح امام علیؑ (اردو ترجمہ)

مادم دم کھنو علی علی
میں دم دم علیؑ علیؑ کرتا ہوں
مئے پنجتن سرا ایمان آختا
میں پنجتن پاکؑ پر ایمان لایا ہوں

شئو منافقاں نواں منے بھلی
تم منافق اگر نہیں مانتے تو مت مانو
آن پاک رسول سوٹیرے سکا
وہ رسولؐ پاک کے سگے چچا زاد بھائی ہیں
آن خود مختار ئیں سجوئیں ملکا
وہ ساری دنیا میں خود مختار ہیں
آن رحمت مئے واسطہ استاں
وہ میرے لئے رحمت ہیں
ہما کافریں جے ہمیشہ بلی
جو ان کو چھوڑ دے وہ کافر ہے
آن حسن حسین بابائیں
وہ حسنؑ اور حسینؑ کے والد ہیں
آن ہاں گرد قادر کعبہ ئیں
وہ اللہ تعالیٰ کے کعبہ کے مالک ہیں
آن والی وسیلو مئے استاں
وہ میرے والی اور وسیلہ ہیں
آن ہیں شے آن ما رہر شئے ملی
ان سے مجھے سب کچھ ملا ہے

عبدالرحمن گشوگ ایمان

عبدالرحمن کا ایمان کہتا ہے

عبدالرحمن ہنی دستان دوئی جہاں

ان کے ہاتھوں میں دونوں جہاں ہیں

آن اپڑے مالک استاں

وہ اس جہاں کے بھی مالک ہیں

آن اوزاد کھولاں جنت ءِ گلی

وہ اس جہاں میں جنت کے دروازے کھولتے ہیں

بلوچی قصیدہ درمدح امام علیؑ (اردو ترجمہ)

علی نام گراغ ادا میغیں عادت

علیؑ کا نام لینا میری عادت ہے

قسمیں اللہ ئے روحاں پھیدا غیں راحت

اللہ کی قسم ان کے نام سے روح کو راحت ملتی ہے

علی میغیں مالک علی میغیں ہادی

علیؑ میرے مالک ہیں علیؑ میرے ہادی ہیں

علی نام گرغا گا ءِ دلام بیغیں آبادی

علیؑ کا نام لینے سے میرا دل خوش ہوجاتا ہے

کلیش زوریں علی ئے سخاوت

علیؑ کی سخاوت سب سے زیادہ ہے

علی نام گرغیش ہر کھے کھنت خارا

علیؑ کا نام لینے سے جو خار کھاتا ہے

ہواں بالکل نوڑیں سمارا

وہ مجھے بالکل پسند نہیں ہے

ہوائیں مارا استیں نفرت

مجھے اس سے سخت نفرت ہے

علی سرا مئیں استے ایمان

علیؑ پر میرا ایمان ہے

گشغیں ڈومکی عبدالرحمن

عبدالرحمن ڈومکی کہتا ہے

علی نام صدقہ بیغاں مئے پورا ہر حاجت

علیؑ کے نام کے صدقے میری ہر حاجت پوری ہوتی ہے

بلوچی نوحہ نمبر 1 (اردو ترجمہ)

آل نبی اولاد علی اے حسن وحسینا ءِ غما

آل نبیؐ اولاد علیؑ حسنؑ و حسینؑ کے غم میں

بیاا ے کھنو ما تما بیاا ے کھنو ما تما
آؤ مل کر ماتم کریں آؤ مل کر ماتم کریں
ماتم بالکل حق ے مئے سرا
ماتم بالکل ہم پر حق ہے
مومنا گرے شئوا پنجتن در آ
مومنو پنجتن پاکؑ کے در سے وابستہ ہوجاؤ
صرف سکا دارے دلام
صرف ان کی محبت کو دل میں رکھو
وس کفونی گل شئے سما
تمہیں خود ہی معلوم ہوجائے گا
بیاا ے کھنو ما تمام بیاا ے کھنو ما تما
آؤ مل کر ماتم کریں آؤ مل کر ماتم کریں
مولا علی اے اولاد جئیں یکو بی یاد
مولا علیؑ کی اولاد کو ہرم دم یا د کرو
قسم مے خدائی سچی پچی آپا رستوں پھما
قسم ہے اللہ کی یہ ہمارے لئے مقدس ہیں
بیاا ے کھنو ما تما بیاا ے کھنو ما تما
آؤ مل کر ماتم کریں آؤ مل کر ماتم کریں

عبدالرحمن کے اشعار

عبدالرحمن سب سے کہتا ہے
مومنا بیارے گل بوئیں آوار
مومنو آؤ سب اکھٹے ہوجاؤ
قیامت ردشا جنتا م
قیامت کے دن وہ سب کو
کھزی یا باڑت دس جما
اکھٹا کرکے جنت میں لے جائیں گے
بیاا ے کھنو ما تما بیاا ے کھنو ما تما
آؤ مل کر ماتم کریں آؤ مل کر ماتم کریں
آل نبی اولاد علی اے حسن و حسین اے غما
آل نبیؐ اولاد علیؑ حسنؑ و حسینؑ کے غم میں

بلوچی نوحہ نمبر 2 (اردو ترجمہ)

ہائے ہائے میر حسین مرشی کھزائے شہید
ہائے ہائے امام حسینؑ کو آج شہید کردیا گیا ہے
لعنت طوغ کھتا تھئی گردنا یزید
لعنت کا طوق تو نے اپنی گردن میں ڈال دیا ہے

قیامت آن داں تھا بی اے لعنت شیرا
قیامت تک تجھ پر لعنت برستی رہے گی

تھرا کافر کھدا تھئی نیت اے پھیرا
تو کافر ہوگیا ہے تیری نیت خراب تھی

پنج تن نہ پھجاڑ تھا تھئی کھور سیاں دید
پنجتن پاکؑ کو تو نے نہیں پہچانا تو اندھا ہوگیا تھا

جنت اشتوئے دوزخ شوزائے
جنت کو چھوڑ کر تو دوزخ میں چلا گیا

نبی پاک پیراں گوں ظلم کھزائے
نبیؐ پاک کے پیاروں پر تو نے ظلم کیا ہے

شئو توباں قبول اے بندبیاں درید
تیری توبہ کے سب راستے بند ہوگئے ہیں

پاکین پنجتن اے محبت استیں بے شمار
پنجتن پاکؑ سے مجھے بے شمار محبت ہے

عبدالرحمن بیسانی ماتم دار
عبدالرحمن اب ماتم دار بن گیا ہے

خوشی کُل شوزانت غما کھزا خرید
خوشیاں سب چلی گئی ہیں بس اب غم ہی غم ہے

بلوچی نوحہ نمبر 3 (اردو ترجمہ)

ظلم کھزائے شمرا تھرا ڈدہ نوی ہمے معاف
شمر تو نے بڑا ظلم کیا ہے تیرا گناہ کبھی معاف نہیں ہوگا

شش مہینائی مظلوما ے بند کھزائے آب
چھ ماہ کے مظلوم پر تو نے پانی بند کیا ہے

علی اصغر کھوٹ سرائے آختا تھرا احساس
علی اصغرؑ کی معصومیت کا بھی تجھے احساس نہیں ہوا

تھا وسی دیم سیاہ کھزا یا آہنی نیت صاف
تو نے اپنا منہ کالا کرلیا اُن کی نیت صاف تھی

عبدالرحمن اندرہ بلغیں ڈانڈھیں آس
عبدالرحمن کے اندر آگ کا الاؤ جل رہا ہے

بلوچی نوحہ نمبر 4 (اردو ترجمہ)

قربانی قربانی دینی ئیں مار قربانی
دینی ہے دینی ہے ہم کو قربانی دینی ہے

نانا سائیں اے دین سرا برمنا بابا جانی
نانا جان کے دین پر قربان ہونے کے لئے بابا لے جائیں

جام شہادت نوش کھنا امر اللہ سائیں غامنا
شہادت کا جام نوش کروں گا اللہ کا یہی حکم ہے

کربلا کھائیں مند ضرور ٹھڑس نئے مارد کھانی
کربلا میں ضرور آؤں گا مجھے درد دکھ کا ڈر نہیں ہے

ماک نہ وئیوں قربان پھدا نانا امت بی ویران
میں قربان نہیں ہوا تو نانا کی امت برباد ہوجائے گی

یزید پلید زور وئی ختم بی رئو مسلمانی
یزید پلید زورآور ہوجائے گا اور مسلمانی ختم ہوجائے گی

عبدالرحمن سوچ کھنئے وسی پاکیں پختبنا منئے
عبدالرحمن سوچ کر پنجتن پاکؑ کو ہی مانتا ہے

ہمیشئس سواد ومی د گ نائیں ہمے ماکھا مئے فقیرانی
ان کے سوا کوئی راستہ نہیں فقیروں کے یہی مالک ہے

بلوچی نوحہ نمبر 5 (اردو ترجمہ)

حسن میر حسینئے غما بالکل داراں دلام
امام حسنؑ اور امام حسینؑ کا غم بالکل میرے دل میں ہے

براڑے منافق تھا چئیا کھنئے ماواں پنجتنے غلام
جا منافق تو کیا کرے گا ہم پنجتنؑ کے غلام ہیں

نواں چھر مئیں شیرا بیحاں پٹاں کھنائے گیرا
میرے سامنے مت آ بالوں سے پکڑ کر تجھے ماروں گا

جوئیں کارے تھاہ کھزائے شہید کھزا تھے امام
تو نے اچھا کام نہیں کیا تو نے امام کو شہید کیا ہے

جلدی کھاں غیرے پٹ وسی پازاں ماسمغاں کل نیا مانازاں
جلدی یہاں سے چلا جا میں سب جانتا ہوں

مئے ایمانے پنجتن سرا گو شغاں سرے عام
میرا ایمان پنجتنؑ پر ہے میں سرے عام کہتا ہوں

گشغیں شاعر عبدالرحمن خبریں منا شمر شیطان
عبدالرحمن شاعر کہتا ہے میں سب جانتا ہوں شمر شیطان

شکھل بے ناغے وشیئس پاکن پنجتن نام
پنجتنؑ کا نام شہد اور مصری سے بھی زیادہ میٹھا ہے

بلوچی نوحہ نمبر 6 (اردو ترجمہ)

یزید پلیتے اے نسل بی سموئیں ختم
یزید پلید کی ساری نسل ختم ہو جائے گی

تبی دراہا تا دیئں اے مئیں دلئے زخم
پھر بھی میرے دل کا زخم ٹھیک نہیں ہوگا

ابدا آس بلغیں جوش جغر گلغیں
میرے اندر آگ لگی ہے اور جوش سے جگر جل رہا ہے

منکریں منافقاں کھزا مزیں ظلم
منکروں اور منافقوں نے بہت ظلم کیا ہے

حسن میر حسین نا گ مڑساں ہمیں بے بھاگ
حسنؑ اور حسینؑ کے ساتھ ان بے بختوں نے جنگ کی

شہید کھزاں تھش نے آفتا شے رحم
انہیں شہید کر دیا اور ان پر رحم نہیں کیا

گوشغیں عبدالرحمن منا بازئیں ارماں
عبدالرحمن کہتا ہے مجھے بڑا دُکھ ہے

حسن حسین نے غمام ہر روزا تیس ماتم
حسنؑ حسینؑ کے غم میں میں ہر وقت ماتم دار ہوں

بلوچی نوحہ نمبر 7 (اردو ترجمہ)

خط لکھسا کوفیاں امام حسین وٹا
خط لکھ، لکھ کر کوفیوں نے امام حسینؑ کو بلایا

وعدہ کھزے شے ساتھ دیغیں پھر ساں ہمائیں جھٹا
ساتھ دینے کا وعدہ کر کے قول سے پھر گئے

آکٹاں امام کربلا عیشاں کھزا حملہ
امام جب کربلا پہنچے تو انہوں نے حملہ کر دیا

تھیراں جنا ما ہمیشانی دلاں ہمے کافریاں کٹا
ان کے دل میں تیر لگے وہ سب کافر ہو گئے تھے

کھنا پلیتاں مولا مارا ستھیں کھوزیش خرابے کار
ان پر خدا کی مار ہوا نہوں نے بہت برا کام کیا

دکھہ بیغیں فی ئیں دلار اندرورغیں وٹاں
میرے دل کی دُعا ہے کہ ان کی نسل ختم ہو جائے

منکر بیساں بے ایمان و ساکھزیش ویراں
منکر بے ایمان ہو گئے اور خود کو برباد کر دیا

گوشغے عبدالرحمن ہمے ظالمانہ مولا سٹا
عبدالرحمن کہتا ہے ان ظالموں کو خدا غرق کرے

بلوچی نوحہ نمبر 8 (اردو ترجمہ)

ہائے ہائے امام چنے غم سوختا دلار منی بیشاں ماتم دار
ہائے ہائے امام حسینؑ کے غم نے مجھے جلا دیا ہے اور میں ماتم دار بن گیا ہوں

چپا کھنا چھنگا نندان نیا غین اصل قرار
میں خاموش کیسے بیٹھوں مجھے آرام نہیں آتا ہے

شر پلیتان کھزا اصفا استیں ظلما بے کار
شمر پلید نے بہت ظلم کا کام کیا ہے

عبدالرحمن اے بالکل استا صفا بے حد پیار
عبدالرحمن کو امام حسینؑ سے بہت پیار ہے

بلوچی قصیدہ در مدح امام حسینؑ (اردو ترجمہ)

تھرا سوالا کھنغاں مئی پروردگار
میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اے میرے اللہ

امام حسین علیہ السلام ٹو لام مناکھن ادار
امام حسینؑ کے گروہ میں مجھے شامل کردے

آل پاکیں رسولئے نواسا دوستیں
وہ پاک رسولؐ کے پیارے نواسے ہیں

ہوا ہی پھجی یامار بدتھا غوشتیں
قیامت کے دن ان کے ساتھ مجھے اٹھانا

بس دومی حچھمار نیست درکار
مجھے اس کے علاوہ اور کچھ نہیں چاہئے

یکھے آن دوستا تھئی دجندا
ایک تو یہ کہ وہ تجھ کو بھی پیارے ہیں

دومی علی آن فرزندا
دوسرا یہ کہ وہ علیؑ کے فرزند ہیں

مادبس پنجتن آستوں تلبدار
میں تو بس پنجتن پاکؑ کا طلب گار ہوں

عبدالرحمن تھراہمے سدائیں
عبدالرحمن کی بس یہ سدا ہے

وہی تھا سچایاگوں مارد ملائیں
کہ مجھے سچوں کے ساتھ ملاؤ

جئیں جنت ماد ربیئوں حقدار
تاکہ میں بھی جنت کا حقدار ہو جاؤں

بھاول خان ڈومکی کے قصیدے

قصیدہ درمدح امام علیؑ

بے نصیب روئے بی گار نصیب وار وبی آوار
بے نصیب دور ہو جائیں گے نصیب والے شامل ہو جائیں گے

پنجتن پاکیں ٹولیم پنجتن پاکیں ٹولیم
پنجتنؑ پاک کے قافلے میں پنجتنؑ پاک کے قافلے میں

ہر کئی مقدر استیں بھلا کھت مولا علی اگوں پیار
جس کی قسمت اچھی ہوگی وہ مولا علیؑ سے پیار کرے گا

آئیں نہ منی حسن او حسین آہیں قیامت تا گرفتار
جو حسنؑ اور حسینؑ کو نہیں مانے گا وہ قیامت کے دن گرفتار ہوگا

بھاول غلام پنجتن اے بعض استانی صاحب دار

بہاول پنجتنؑ کا غلام ہے اور ان سے بے حد محبت کرتا ہے

قصیدہ در مدح پنجتنؑ پاک

پاکیں پنجتن آگوں او چند دل من آختا

پنجتنؑ پاک کی محبت میرے دل میں بھر گئی ہے

جزاگاں دفعیس علی علی نیندگاں دفعیس علی علی

چلتے پھرتے علیؑ علیؑ کرتا ہوں اُٹھتے بیٹھتے علیؑ علیؑ کرتا ہوں

قسمے اللہ سائیں اے مناگتا صفا بختا

قسم ہے اللہ پاک کی میں خوش قسمت ہوں

دوئیں جہانانی مالک منا ملسا

دونوں جہاں کے مالک مجھے مل گئے

مولا علی علیہ السلام ایین نامے چھے آئیس اے سخاوتا

مولا علیؑ ان کا نام ہے اور کیا ان کی سخاوت ہے

بھاول نصیب بھلا یا دامن گتئی علی اے

بہاول کے نصیب جاگ گئے کہ اس نے علیؑ کا دامن تھام لیا

سک پنجتن پاکیں من مولا قسمے بختا

مولا کی قسم مجھے پنجتنؑ پاک سے بہت محبت ہے

قصیدہ در مدح امام علیؑ

میغیں دین ایمان امام علی

میرا دین اور ایمان امام علیؑ ہیں

پر ٹائم دقیفے شہانا دے علی

ہر وقت میری زبان پر نادِ علیؑ ہے

پنجتن پاکین گو استے میں پیار

پنجتنؑ پاک سے مجھے پیار ہے

وس جنتا بڑھتے مار کھلی

وہ خود مجھے جنت میں لے جائیں گے

ما حیدر ے کرار ے استوں حب دار

میں حیدر کرارؑ کا حب دار ہوں

مار غم نین ملسا دوست دلی

مجھے کوئی غم نہیں کیونکہ اچھا دوست مل گیا ہے

ڈومکی بھاول نی خوشا ما باز

بہاول ڈومکی کہتا ہے اب میں بہت خوش ہوں

اے نصیب والوں علی ملی

نصیب والوں کو ہی علیؑ ملتے ہیں

قصیدہ در مدح امام علیؑ

شوادمدک کھنے علی علی
تم دم دم علیؑ علیؑ کہتے جاؤ
علی مشکل کشا علی شیر خدا علی استے ولی
علیؑ مشکل کشا ہیں علیؑ شیر خدا ہیں علیؑ اللہ کے ولی ہیں

تلوار زڑھتو ہما حند یا شزا
تلوار اُٹھا کر وہ جہاں بھی گئے
سئیے علی یا جنگ فتحا کھزا
میرے علیؑ نے فتح ہی حاصل کی
شوا سوج بھلی دو ھمی نینوں گلی
تم جو بھی سوچ علیؑ کے سوا کوئی نہیں

شوادمدم کھنے علی علی
تم دم دم علیؑ علیؑ کہتے جاؤ
علی مشکل کشا علی شیر خدا علی استے ولی
علیؑ مشکل کشا ہیں علیؑ شیر خدا ہیں علیؑ اللہ کے ولی ہیں

سوی سچائیے ایمانا سبھار شوا
تم اپنے ایمان کو سنبھالو
ہر مشکل یما علی یا پکارے سوا
ہر مشکل میں علیؑ کو پکارو

شوار ہر سئے ملی اے سئیے حالے ولی
تمہیں سب کچھ ملے گا یہ میرا دل کہتا ہے

شوادمدم کھنے علی علی
تم دم دم علیؑ علیؑ کہتے جاؤ
علی مشکل کشا علی شیر خدا علی استے ولی
علیؑ مشکل کشا ہیں علیؑ شیر خدا ہیں علی اللہ کے ولی ہیں

گشی بالاچ فائدہ حمیں زینوں
بالاچ کہتا ہے کہ فائدہ یہیں ہے
پنجتن سوادو ھمی چھ نینوں
پنجتنؑ پاک کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے
وس بڑتھ علی جنتما کھلی
علیؑ خود لے جاکر جنت میں چھوڑ دیں گے

شوادمدم کھنے علی علی
تم دم دم علیؑ علیؑ کہتے جاؤ
علی مشکل کشا علی شیر خدا علی استے ولی
علیؑ مشکل کشا ہیں علیؑ شیر خدا ہیں علیؑ اللہ کے ولی ہیں

میر نادر عزیز کرد

قارئین محترم میر نادر عزیز کرد بلوچستان کی ایک عہد ساز شخصیت تھے اس کا اندازہ آپ کو ان کی سوانح حیات پڑھ کر ہو جائے گا۔ اس گھرانہ کو عہد حاضر میں بلوچ قوم پرست سیاست کا بانی کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ سب سے پہلے میر عبدالعزیز کرد نے 1937 میں قلات اسٹیٹ نیشنل پارٹی کی بنیاد رکھی۔ علاوہ ازیں آپ بلوچ اسٹوڈنٹس آرگنائزیشن B.S.O کے بانی ارکان میں سے تھے۔ اپنے زمانہ طالب علمی میں بلوچ اسٹوڈنٹس آرگنائزیشن میں فعال کردار ادا کرتے رہے، لیکن بعد میں اسلامِ حقیقی کی تلاش میں مختلف دینی تنظیموں سے وابستہ رہے اور آخر خلوصِ قلب سے جاری رہنے والی کوششوں کے سبب اپنی منزلِ مقصود کو پالیا۔

ہم نے اپنی اس کتاب ''بلوچ تاریخ'' میں جناب میر نادر عزیز کرد مرحوم کی سوانح حیات کے چند گوشے شامل کئے ہیں تا کہ قارئین جناب میر نادر عزیز کرد کے کردار و عمل میں بلوچستان کی موجودہ تاریخ سے آشنا ہو سکیں۔

بلوچستان کی یہ معروف سیاسی سماجی اور قبائلی شخصیت 28 اپریل 1944 کو مستونگ میں پیدا ہوئی۔ اس لئے آپ کا آبائی وطن مستونگ ہے۔ البتہ دشت، کولپور، مچھ اور کوئٹہ میں آپ کے کچھ عزیز اور قبیلے کے افراد قیام پذیر ہیں۔ تعلق کرد قبیلہ سے ہے اس لئے اپنی پہچان کے لئے اپنے نام کے ساتھ کرد ضرور استعمال کرتے ہیں۔ زبان براہوی ہے کیونکہ تقریباً تمام کرد براہوی زبان میں بات چیت کرتے ہیں۔

آپ کا کہنا ہے کہ جب کبھی سیاسی اور تاریخی حوالے سے والد صاحب سے بات ہوئی تو انہوں نے یہ ہی بتایا کہ ہم بلوچ اکراد قبائل دجلہ اور فرات کے مرغزاروں میں آباد عظیم تہذیب وتمدن کے حامل تھے۔ واقعہ کربلا میں امام حسین علیہ السلام کا ساتھ دینے کی وجہ سے بنو امیہ کے ظلم وستم کا شکار ہوئے اس لئے وہاں سے نقل مکانی کی اور پھر یہاں بلوچستان میں آباد ہو گئے۔

بچپن اور ابتدائی تعلیم

بچپن مستونگ میں گزرا۔ والد صاحب قلات میں وزیر کی حیثیت سے کام کر رہے تھے لیکن ہم مستونگ میں ہی رہے کیونکہ مستونگ پر فضا جگہ تھی اور کاریزات کی بہتات کی تھی۔ مجموعی ماحول پاکیزہ تھا۔ تعلیم کا معیار اچھا تھا۔ اسکول میں ٹیچر زیادہ تر باہر کے تھے۔ طرز تعلیم زیادہ تر روایتی انداز کا تھا۔ آٹھویں کلاس سے انگریزی بحیثیت مضمون شروع ہوجاتی تھی۔ اس طرح انگریزی زبان سے لگاؤ پیدا ہوا۔ اور پھر انگریزی پسندیدہ مضمون بن گیا۔

اعلیٰ تعلیم

میٹرک 1963 میں احمد یار خان اسکول مستونگ سے پاس کیا۔ ایف اے گورنمنٹ کالج مستونگ اور بی۔اے 1967 میں گورنمنٹ کالج کوئٹہ سے پاس کیا۔ کالج کے زمانے میں پسندیدہ مضمون پولیٹیکل سائنس تھا۔ ایم اے انگریزی پنجاب یونیورسٹی سے کچھ ناگزیر حالات کی وجہ سے مکمل نہ ہو سکا۔

قرآن کی تعلیم

بچپن میں قرآن نہیں پڑھ سکے۔ تھوڑا بہت پرائمری اسکول میں پڑھا مذہبی رجحان بڑھا تو کیسٹوں اور ویڈیوز کے ذریعے تجوید دُرست کی۔ اور اس طرح قرآن ختم کیا۔

والدہ

والدہ کا تعلق افغانستان سے تھا۔ ان کا قبیلہ سادات کا مرید تھا۔ یہ لوگ کچھ عرصہ قبل بلوچستان میں آ کر آباد ہوئے تھے محلے پڑوس میں بیماروں پر دم درود کرتی تھیں۔ سائل کو

کبھی خالی ہاتھ واپس نہیں لوٹایا۔ اگر اپنے پاس نہ ہوا تو اُدھار لے کر سائل کی مدد کی۔

ہمارے گھر میں کسی نہ کسی وقت میں کوئی یتیم پرورش پا رہا ہوتا اور کبھی ایسا بھی ہوا کہ ایک وقت میں بہت سے یتیموں نے پرورش پائی اور ان کے ساتھ امتیاز کبھی نہیں برتا گیا۔

والد صاحب اور علامہ اقبال

والد صاحب علامہ اقبال کے قدر دان تھے اور ان سے دوستانہ مراسم بھی تھے۔ یہ علامہ اقبال سے والد صاحب کی ایک ملاقات کا اثر تھا کہ علامہ اقبال نے بوڑھے بلوچ کی بیٹے کو نصیحت کے نام سے ایک نظم تحریر کی۔

بوڑھے بلوچ کی بیٹے کو نصیحت

ہو تیرے بیاباں کی ہوا تجھ کو گوارا
اس دشت سے بہتر ہے دلی نہ بُخارا

جس سمت میں چاہے صفت سیل رواں چل
وادی یہ ہماری ہے وہ حجرا بھی ہمارا

غیرت ہے بڑی چیز جہانِ تگ و دو میں
پہناتی ہے درویش کو تاج سردارا

حاصل کسی کامل سے یہ پوشیدہ ہنر کر
کہتے ہیں کہ شیشے کو بنا سکتے ہیں خارا

افراد کے ہاتھوں میں ہے اقوام کی تقدیر
ہر فرد ہے ملت کے مقدر کا ستارا

محروم رہا دولت دریا سے وہ غواص
کرتا نہیں جو حجت ساحل سے کنارا

دیں ہاتھ سے دے کر اگر آزاد ہو ملت
ہے ایسی تجارت میں مسلماں کا خسارا

دنیا کو ہے پھر معرکہ روح و بدن پیش
تہذیب نے پھر اپنے رندوں کو اُبھارا

اللہ کو پامردی مومن پہ بھروسا
ابلیس کو یورپ کی مشینوں کا سہارا

تقدیر اُمم کیا ہے کوئی کہہ نہیں سکتا
مومن کی فراست ہو تو کافی ہے اشارا

اخلاص عمل مانگ لیا کان کہن سے
شاہاں چہ عجب گر بنوا زند گدارا

گھر کا ماحول

گھر کا ماحول مذہبی اور سیاسی تھا۔ گھر میں وسیع لائبریری تھی جس میں ہر قسم کی کتابیں موجود تھیں والد صاحب کی کتابوں میں نہج البلاغہ بھی تھی۔

والد صاحب کو اولیاء اللہ سے خاص رغبت تھی اس سلسلے میں انہوں نے وقت بھی لگایا تھا۔ والدہ کی وجہ سے گھر میں نماز روزہ کی پابندی تھی۔ بچپن میں محرم کے دنوں میں وہاں کے رسم و رواج کے مطابق کسی کے گھر سے چینی اور کہیں سے نقد پیسے جمع کر کے نذر و نیاز کا اہتمام کرتے۔ اور یا حسینؑ یا حسینؑ کی صدائیں بھی بلند کرتے تھے۔ کسی ایک شخص کو شمر بناتے اور مصنوعی طور پر ذبح کرتے تھے۔ یہ تمام رسمیں براہوی زبان میں واقعات کربلا کو زندہ رکھنے کی خاطر شروع سے چلی آ رہی ہیں اور تقریباً تمام براہوی برادری میں یہی ہوتا ہے۔ چندہ جمع کر کے کسی سیّد کے گھر پر یا قبرستان میں جمع ہو کر نیاز پکاتے اور یا حسینؑ یا حسینؑ کی صدائیں بلند کرتے ہیں۔

اس تمام عمل کو ''حسینی کول'' کہا جاتا ہے میر نادر عزیز کرد کہتے ہیں کہ ان کے بچپنے میں چہاردہ معصومین علیہ السلام کے نام بچوں کو یاد کرائے جاتے تھے۔

درویشانہ زندگی

مستونگ کے علاقے میں زمین اور باغات مچھ میں کول مائینز اور خان آف قلات کی ریاست میں وزیر ہونے اور برصغیر کی سیاست میں صف اوّل کے رہنما ہونے کے باوجود ہمارے گھر والے سادہ زندگی گزارتے تھے۔

انقلابی رُجحان:

ایک چیز جو بچپن سے اپنے اندر محسوس ہوتی تھی۔ وہ تھا مجھ میں پایا جانے والا انقلابی

رجحان۔ میں فطری طور پر انقلابی تھا میرے اندر ایک طوفان جوش مارتا تھا کہ میں غریبوں اور مظلوموں کی مدد کروں۔ ان کے حقوق کے لیے قیام کروں تاکہ محروم لوگوں کو حقوق ملیں اور ان کی رسائی انصاف تک ہو۔

اللہ سے راز و نیاز:

مجھے سوچنے اور سمجھنے کا زیادہ وقت روپوشی کے دوران اور جیل میں ملا جہاں میں اب تک ہونے والی جدوجہد، نفع نقصان، قیادت کی خامیوں، آپس کے اختلاف داخلی انتشار نظریاتی خلا اور فکری خامیوں پر سوچتا رہتا اور آئندہ کے حوالے سے متفکر رہتا، اور اسی دوران اللہ تعالیٰ سے راز و نیاز کرتے ہوئے اکثر میرے اُوپر گریہ طاری ہو جاتا۔ اور آنسوں کی لڑیاں جاری ہو جاتیں۔ اس دوران دعاوں اور مناجاتوں کی شکل میں جملے ادا کرتا ان میں سے کچھ مجھے آج بھی یاد ہیں۔ میں بارگاہ الٰہی میں فریاد کرتا کہ اے رب ذوالجلال تو جانتا ہے کہ میں تیرا ایک حقیر ناتواں اور کمزور بندہ ہوں مجھے تیرے فضل وکرم اور لطف وکرم کی اشد ضرورت ہے تو مجھ پر اپنا لطف وکرم جاری کردے۔

تفہیم اسلام کی خواہش

آخر کار خلوص دل کے ساتھ بارگاہ الٰہی میں کی جانے والی دعائیں اثر انگیز ہونا شروع ہوئیں اور میں نے اسلامی کتب کا مطالعہ شروع کر دیا۔ اس سلسلے میں دوران مطالعہ میری نظر سے ایک حدیث گذری جس سے میں بہت زیادہ متاثر ہوا۔ کسی جنگ کا موقع تھا آپؐ جنگ کی وجہ سے مال واسباب جمع کر رہے تھے ہر شخص اپنی توفیق کے مطابق دے رہا تھا۔ اس دوران ایک مزدور پھٹے پُرانے کپڑوں میں آپ کے پاس آیا اور شرماتے ہوئے مُٹھی بھر کھجور آپؐ کی خدمت میں یہ کہتے ہوئے پیش کیئے کہ حضورؐ یہ میری آج کی مزدوری کی اُجرت ہے۔ آپؐ نے یہ کھجور وصول کرتے ہوئے اصحاب سے کہا کہ تمام مال واسباب پر

یہ مٹھی بھر کھجور بھاری ہے۔ اس حدیث نے میرے وجود پر پڑے ہوئے تمام مادی پردے ہٹا دیئے جس کے بعد حقیقت دنیا مجھ پر آشکار ہوگئی اور میری سمجھ میں آگیا کہ انقلابی تحریکوں کو مادی وسائل سے زیادہ ایمان، خلوص اور یقین کی ضرورت ہے۔ اور یہی فرق اسلامی تحریک اور مادی تحریک کو واضح کرتا ہے۔ اسلامی تحریک میں معیار خلوص تقویٰ اور پرہیزگاری کو قرار دیا گیا ہے جب کہ مادی تحریک میں معیار مال، دولت Status اور غلبہ طاقت اور ثروت کو ہی سب کچھ سمجھا جاتا ہے۔

اس طرح مزید مطالعہ اور تحقیق سے میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ اصل راستہ جسے ہم نے چھوڑ دیا ہے وہ اسلام ہے۔ کیونکہ اسلام میں دنیاوی اور دینی دونوں حوالوں سے کامل معاشرے کا تصور موجود ہے اس لئے ہماری مشکلات کا حل بھی اسلامی طرز زندگی اور اس ہی کو وسیلہ انقلاب بنانے میں ہے۔ لیکن وہ اسلام جو کہ حقیقی معنوں میں قرآن اور سنت کے مطابق ہو۔ حقیقی معنوں میں اسلام پر عمل پیرا ہونے کا جملہ میں نے اس لئے استعمال کیا کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے معاشرے میں ایک عام مسلمان کے دل میں اسلام سے محبت موجود ہے لیکن بعض مفاد پرست اسلام کو اپنی ذات اور اپنے ذاتی مقاصد کے لیے استعمال کرتے ہیں جبکہ بعض غیر ملکی اسلام دشمن طاقتیں ان مفاد پرستوں کو اپنے گھناؤنے مقاصد کے لیے بھی استعمال کرتی ہیں۔

اسلام سے طاغوت کو خطرہ

اس زمانے میں ایک اور واقعہ کہ جس نے مجھ پر خاصا اثر ڈالا جسے ہمارے مستونگ کی بزرگ وسماجی شخصیت سید مرتضیٰ جعفری مرحوم نے سنایا کہ وہ ایک سفر کے سلسلے میں بولان میل کے ذریعہ کراچی جارہے تھے ان کے کمپارٹمنٹ میں ایک ریٹائرڈ بریگیڈیر صاحب بھی سفر کر رہے تھے۔ بریگیڈیئر صاحب نے دوران گفتگو اپنا ذاتی واقعہ سنایا کہ میں پچاس کی دہائی میں بحیثیت کیپٹن فوجی ٹریننگ پر امریکہ گیا۔ ویک اینڈ پر میں اپنے کسی

عزیز سے ملنے نیو جرسی جا رہا تھا۔ میرے سامنے والی نشت پر ایک اسی پچاسی سالہ بوڑھا کھوسٹ امریکن مسلسل کسی ضخیم کتاب کے مطالعہ میں مصروف تھا۔ میں اکیلے بوریت محسوس کر رہا تھا درمیان، میں میں نے بات کرنے کی کوشش کی تو اس نے مجھے ڈانٹ دیا کہ اپنے کام سے کام رکھو۔ وہ دراصل مجھے میکسیکن (Mexican) سمجھ رہا تھا۔ آخر تھک کر اس نے کتاب بند کر لی اور ہلکی پھلکی گپ شپ کا آغاز ہوا۔ وہ کسی یونیورسٹی کا پروفیسر اور یہودی تھا۔ دوران گفتگو میں نے یورپ اور تیسری دنیا میں سوشلزم کے بڑھتے ہوئے اثرات پر تشویش کا اظہار کیا تو جواب میں امریکن بوڑھے نے میری تشویش کو مسترد کرتے ہوئے مجھے کہا کہ بیٹے میں نے سوشلزم اور دنیا کے دیگر نظاموں کا بغور مطالعہ کیا ہے۔ میں آج اپنے زندگی بھر کے مطالعہ کے نچوڑ کے بعد جس نتیجے تک پہنچا ہوں۔ وہ یہ ہے کہ آئندہ دنیا کو اگر کسی نظام یا مکتب سے خطرہ ہے تو وہ اسلام ہے میں اس بات پر چونک گیا۔ میں نے اس سے اختلاف کرتے ہوئے مسلمان ممالک کو پس ماندہ اور غریب قرار دیا تو اس نے کہا کہ بظاہر اس وقت دنیا میں اسلامی ممالک پسماندہ غریب، سیاسی و معاشرتی انتشار کا شکار ہیں۔ ان کی ترقی کی شرح اور تعلیمی صورتحال بھی قابل قدر نہیں ہے لیکن اسلام اپنی متحرک اور فعال آئیڈیالوجی اور مکمل نظام حیات کی بنا پر آئندہ دنیا میں نظریاتی طور پر سب سے بڑی آئیڈیالوجی بن کر اُبھرے گا۔ سوشلسٹ صرف انسان کے مادی پہلو کی بات کرتے ہیں۔ جس کی وجہ سے اس کے اثرات محدود ہیں اسلام دین اور دنیا دونوں زندگیوں کی کامیابی کی اپنے ماننے والوں کو ضمانت دیتا ہے۔ اور سب سے بڑا پہلو یہ کہ دنیا بھر میں تمام قوموں کا اپنی آئیڈیالوجی پر اتنا پختہ ایمان اور یقین نہیں۔ جتنا مسلمانوں کا اللہ تعالیٰ کی ذات اور قرآن کی سچائی پر ہے۔ اور یہی سب سے خطرناک پہلو ہے۔ جب کبھی مسلمان قرآنی معیارات کے مطابق نظام قائم کرنے کے لئے اُٹھ کھڑے ہوئے پھر دنیا کی کوئی طاقت انہیں نہیں روک سکتی۔ اس نے کہا کہ آئندہ پچاس سال بعد دنیا کو حقیقی خطرہ اسلام اور اس کی تہذیب سے ہوگا۔ میرے ایک سوال کے جواب میں آیا یورپ میں عیسائیت اس خلاء کو

پورا نہیں کر سکتی؟ اس نے کہا کہ عیسائیت میں قطعاً اتنی جان نہیں کہ وہ اپنے ماننے والوں کو فکری و روحانی غذا پہنچا سکے۔ یہی وجہ ہے کہ یورپی معاشروں میں مذہب سے دوری اور شدید روحانی اضطراب پایا جاتا ہے۔ جبکہ مسلمانوں کو اپنے مذہب کی سچائی پر ایمان اور یقین ہے۔ کمزوری صرف ان کی بے عملی میں ہے۔ اس واقعہ نے مجھ پر خاص اثر ڈالا اور میرا اعتقاد اسلام پر زیادہ گہرا اور پختہ ہو گیا۔

علمائے کرام سے روابط

گھر پر علمائے کرام اکثر تشریف لاتے رہتے تھے جس میں مولوی محمد عمر پڑنگ آبادی مولوی محمد صدیق اور بہت سے دیگر علماء سے والد صاحب تفریح طبع کے لئے چائے سے قبل کوئی مفروضہ بنا کر اختلافی سوال چھیڑ دیتے مثلاً کہتے کہ مولوی صاحب اگر اللہ دو ہوتے تو اس کائنات میں کیا ہوتا۔

علماء یہ سنتے ہی استغفر اللہ پڑھتے اور ناراض ہو جاتے اور والد صاحب کو نصیحت کرتے کہ میر صاحب ایسے سوالات نہ کیا کریں اس سے ایمان ختم ہو جاتا ہے۔ والد صاحب مولویوں کی بے چارگی پر محظوظ ہوتے اور پھر کہتے کہ مولوی صاحب اگر ایسے سوالات کا جواب عقلی بنیادوں پر تلاش کر لیا جائے تو انسان کا ایمان اللہ تعالیٰ کی ذات پر اور زیادہ مضبوط ہو جاتا ہے آپ اپنے ایمان کو کچے دھاگوں میں نہ باندھیں اسے عقل منطق اور دلائل کے گارے سے مضبوط بنائیں۔

والد صاحب اولاد کو بھی آزادانہ اور غیر جانبدار مطالعہ کرنے کی ترغیب دیتے اور کہتے کہ عقل اور منطق کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹنے پائے کیونکہ دنیا میں نیک اور بد اور صحیح اور غلط کو جاننے کا طریقہ عقل ہی ہے عقل ہی کے ذریعے اچھائی اور برائی کی پہچان ہوتی ہے۔ ہمارے پاس باطل مذاہب کو رد کرنے اسلام کی حقانیت قرآن مجید کی صداقت اور رسول اکرمؐ کی رسالت کو برحق ثابت کرنے کا واحد ذریعہ عقل ہی ہے۔

میر نادر عزیز کرد کہتے ہیں کہ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ایک مرتبہ ایک محفل میں نواب عبدالقادر شہوانی، میر غلام محمد قنبرانی اور چند دیگر افراد موجود تھے اور مختلف مکاتب فکر اور فقہوں پر بات ہو رہی تھی۔ والد صاحب نے فرمایا کہ میں نے جہاں تک اسلامی تاریخ کا مطالعہ کیا ہے وہ تو یہ بتاتا ہے کہ صرف فقہ اہلبیتؑ جسے فقہ امام جعفر صادق علیہ السلام بھی کہا جاتا ہے برحق ہے اور باقی تمام فقہیں سرکاری فقہ ہیں جنہیں ہمیشہ حکومتوں کی پشت پناہی حاصل رہی ہے جن کو ظالم اور جابر بادشاہوں نے اپنی ضرورت اور سیاسی مصلحتوں، بد اعمالیوں اور مظالم کو شریعت کا لبادہ پہنانے کے لئے استعمال کیا۔

میر نادر عزیز کرد کہتے ہیں کہ ایک دن میں والد صاحب کی لائبریری سے کوئی دینی کتاب پڑھ رہا تھا جو غالباً حضرت محمد مصطفیٰؐ کی سیرت پر تھی۔ والد صاحب نے کتاب کے کونے پر حاشیہ لگا کر لکھا تھا کہ جب میں موجودہ دور کے مسلمانوں اور علماء کی حالت دیکھتا ہوں تو میں اسلام سے بیزار ہو جاتا ہوں۔ میرا دل چاہتا ہے کہ خود کو مسلمان نہ کہلواؤں لیکن جب سیرت حضرت محمد مصطفیٰؐ کا مطالعہ کرتا ہوں تو بے اختیار اسلام کی عظمت اور آپؐ کی محبت سے سینہ لبریز ہو جاتا ہے۔ اور پھر ایک دینی آئیڈیل شخصیت ذہن میں اُبھرتی ہے کہ جس کی مثال پوری کائنات میں نہیں ملتی۔

میر نادر عزیز کرد کہتے ہیں کہ والد صاحب تاریخ اسلام پر بھی سخت نکتہ چینی کرتے تھے اور کہتے تھے کہ تاریخ اسلام اور ہے اور مسلمانوں کی تاریخ اور ہے اسلام کی تاریخ عدل و مساوات احترام انسانیت شرافت اور دوسروں کے حقوق کے احترام کا نام ہے۔
جب کہ مسلمانوں کی تاریخ حصول اقتدار کے لئے رسہ کشی، لشکر کشی، حکومتوں کی سرحدوں میں توسیع، شراب کباب اور عیش وعشرت سے بھری پڑی ہے۔

تبلیغی جماعت کے چھ نمبر

سب سے پہلے جس مذہبی گروہ سے میرا رابطہ ہوا وہ تبلیغی جماعت والے تھے مجھ اور

مستونگ میں ان کی فعالیت خاصی تھی۔ ان کی مرکزی شوریٰ کے رُکن محمد رفیق صاحب کا تعلق بھی مجھ سے تھا۔ ان کا سیدھا سادھا ڈھانچہ اور ابتدائی طریقہ کار بھی مجھے پسند آیا کہ یہ لوگ اس مادی دور میں اچھے مقصد کے لئے وقت اور پیسہ صرف کرتے ہیں۔ ابتدائی نشستوں کے بعد میں مستونگ کی جماعت اور چند دوستوں کے ساتھ رائے ونڈ گیا۔ رائے ونڈ میں میری تبلیغی جماعت کے اکابرین سے مفصل نشستیں ہوتی رہیں میں نے ان کے نظریات اہداف طریقہ کار تبلیغی دعوت اور کام کرنے کی روش کو سمجھنے کی کوشش کی ان کی باتوں کو غور سے سنتا اور ان پر غور کرنے کے بعد بھرپور عمل کرنے کی کوشش کرتا میری کوشش تھی کہ میں اپنے مکمل وجود کو ان کے بتائے ہوئے سنت کے طریقہ کے مطابق ڈھال لوں وہاں میں نے علماء کے بتائے ہوئے طریقہ کے مطابق شرعی داڑھی بھی رکھ لی اور اپنی مکمل وضع قطع تبلیغی جماعت کی طرز پر ڈھال لی وہاں جن بزرگوں سے ملاقاتیں رہیں اور جن کے بیانات ہم نے سنے ان میں مولانا محمد عمر پالن پوری اور مولانا منظور احمد نعمانی (ان دونوں کا تعلق انڈیا سے تھا)۔ مولانا عبدالوہاب صاحب مولانا جمشید صاحب بھائی بلال صاحب اور مفتی زین العابدین قابل ذکر ہیں۔

رائیونڈ سے میں نے تبلیغی جماعت کی مطبوعات خریدیں۔ خصوصاً میں نے مولانا منظور احمد نعمانی صاحب کی احادیث کے بارے میں چار جلدوں پر مبنی کتاب ''معارف الحدیث'' کے کئی سیٹ خریدے۔ اور قریبی دوستوں کو ہدیہ کئے وہاں بزرگوں نے زیادہ سوالات کرنے سے منع کیا۔ اور خاموشی سے عمل پر زیادہ زور دیا۔ اور چلّے پر جانے کے لئے کہا گیا۔ ہمیں پہلے چلّے پر بلوچستان کے پشتون علاقے لورالائی کی طرف بھیجا گیا تھا اس کے علاوہ چھوٹے بڑے اجتماعات، سہہ روزے، شب جمعہ و دیگر لاتعداد پروگرام اٹینڈ کئے اس عرصے میں میرے غریب خانے میں کوئٹہ اور رائے ونڈ سے مرکزی بزرگ بھی تشریف لاتے رہے۔ اور وہی روایتی رٹے رٹائے Stereo ڈھب پر چلنے کی نصیحت کر کے چلے جاتے۔ اب مجھے ان کی محفلوں میں بوریت کا احساس ہونے لگا۔ میرا وجود تو ان کی محفل میں ہوتا۔

ذہن کہیں اور ہوتا۔ مجھے محسوس ہونے لگا کہ جس چیز کی تلاش میں، میں یہاں آیا ہوں وہ یہاں نہیں ہے۔ ان کی کل تعلیمات عبادات و اخلاقیات ذکر و اذکار تک محدود ہیں، لیکن زندگی کے دیگر پہلو مکمل طور پر نظر انداز کر دیئے گئے ہیں۔ جبکہ میں اسلام کو مکمل ضابطہ حیات سمجھ کر داخل ہوا تھا۔ ان کے ارتقاء کا آخری کمال چھ نمبر ہے جس میں کلمہ، نماز، علم، اکرام مسلم، تصیح نیت، اور تبلیغ دین شامل ہیں اور سارا دین اسی چھ نمبر کے گرد گھومتا ہے۔

اسلامی انقلاب اور عدل اجتماعی کے تصور سے عاری تبلیغ

تبلیغی جماعت میں تمام زندگی قصہ کہانی کے انداز میں واقعات کی تکرار تک محدود ہے۔ سوال و جواب کرنا معیوب سمجھا جاتا ہے۔ بس عبادی اور اخلاقی کتابوں وہ بھی مخصوص لابی کے مصنّفین کی پڑھنے پر زور دیا جاتا ہے۔ آج کے انسان کی انفرادی و اجتماعی مشکلات، عالم اسلام کی زبوں حالی، سامراجی طاقتوں کی ریشہ دوانیاں، مسلم خون کی ارزانی ملک کے داخلی مسائل میڈیا کے بڑھتے ہوئے فساد کے علاوہ اسلام کی اجتماعی، اقتصادی، سیاسی معاشرتی، سماجی تہذیبی و عمرانی مسائل آرٹ کلچر ڈرامہ سے انہیں کوئی سروکار نہیں، ایسا لگتا ہے کہ ان مسائل کے حوالے سے ان میں کوئی سوفٹ وئیر ہی نہیں پایا جاتا، اسلامی انقلاب عدل اجتماعی کے نظام کے قیام کے جدوجہد کا آغاز کا تو دور تک سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ جب ان اُمور پر میں نے آہستہ آہستہ سوالات کرنا شروع کئے تو جواب دیا جاتا کہ آپ ابھی مزید تبلیغ کو وقت دیں۔ پھر یہ باتیں آپ کی سمجھ میں آئیں گی۔ میں نے دو سال کے عرصے میں ایسے تبلیغی افراد سے بھی ملاقاتیں کیں کہ جن کی پوری عمر تبلیغ میں بیت گئی۔ جب ان سے سوال کئے جاتے تو وہ ان سے بھی زیادہ خشک نکلتے۔ دوسرا بزرگوں کا جواب یہ ہوتا کہ ہمارے ذہن میں بھی اسلامی ریاست کا تصور موجود ہے۔ جب تک ہماری مکمل تیاری نہ ہو جائے ہم ان دیگر اسلامی شعبوں پر توجہ نہیں دے سکتے۔ میرا اعتراض ہوتا کہ حضرت تبلیغی جماعت کو بنے ہوئے ستر اَسّی سال ہو گئے ہیں۔ اور اب تک ہمارے ملک

میں ان کے کروڑوں حامی موجود ہیں اور اجتماعات میں لاکھوں افراد شریک ہوتے ہیں آخر کب کس لمحہ آپ کی تحریک کا آغاز ہوگا۔ جبکہ رسول اکرمؐ کی سیرت میں ہم دیکھتے ہیں کہ جیسے ہی مدینہ منورہ میں 313 افراد مسلمان ہوئے آپ نے کفر و طاغوت سے انقلابی جدوجہد و مبارزہ شروع کر دیا۔ اور انقلاب لانے میں کامیاب ہو گئے۔ جبکہ ہمارے ملک میں کفار کا طاقتور میڈیا ایک باقاعدہ طے شدہ حکمت عملی کے تحت کفار کی ثقافت، مغربی و ہندی بے حیائی پر مبنی کلچر پھیلانے میں مصروف ہے۔ عوام کو گمراہ کیا جا رہا ہے۔ آخر کب ہمارے جہاد کا آغاز ہوگا۔ آپ تبلیغی فوج کو جس جدوجہد کے لئے تیار کر رہے ہیں۔ ان میں تو آپ نے اس حوالے سے لڑنے کی صلاحیت ہی نہیں پیدا کی۔ ان کی تربیت فکر و نظریہ تو وہی قرون اولیٰ کی ضروریات کے مطابق ہے۔ کیا آپ ایک ایسے باڈی بلڈر کو کسی مقابلہ کے میدان میں لے جانے کا تصور کر سکتے ہیں کہ جس نے صرف بازوؤں کی یا صرف ٹانگوں کی ورزش کی ہو۔ باقی جسم یوں ہی چھوڑ دیا ہو۔ یہ گفتگو کا سلسلہ چلتا رہا۔ میں نے دیکھا اب یہ لوگ مجھ سے کترانے لگے ہیں ایک دفعہ کشمیر، فلسطین میں مسلم قتل عام پر بات چھڑی میں نے انہیں مسلم دفاع کے حوالے سے اہم رکن جہاد کی طرف توجہ دلائی۔ تو جواب دیا گیا کہ ہم اپنے اخلاق و کردار سے تمام کافروں کو مسلمان کر لیں گے۔

اس عرصے میں میری تشنگی و بے قراری بڑھتی چلی گئی۔ مجھے محسوس ہونے لگا۔ جیسے میرا ارتقاء رُک چکا ہے۔ میری رُوح مضطرب ہے۔ طبیعت میں عجیب بے سکونی و ہلچل اور ایک سوز و گداز کی کیفیت طاری رہتی ہے مجھے اندازہ ہو گیا کہ تبلیغی جماعت جمود و رکود کا دوسرا نام ہے۔ ان کا تصور اسلام اذہان افکار اور عمل کو منجمد کر دینے والا ہے۔ یہاں متحرک فعال بیدار مجاہدانہ اجتماعی فکر رکھنے والے انسان کو عملی میدان سے خارج کر کے ایک خاص سانچے میں ڈھال کر نئے قسم کا دولہ شاہ کا چوہا بنا دیا جاتا ہے کہ جس سے اس کی سوچ، فکر، مبارزہ و جہاد اجتماعی، ملی و امت مسلمہ کا درد سوز و ساز سب کا حق چھین لیا جاتا ہے۔ اسے بے روح بے جان خشک عبادات و انفرادی مسائل میں اُلجھا دیا جاتا ہے۔ تبلیغی جماعت میں جانے سے

پہلے میں جن تین چیزوں کی تلاش میں تھا وہ مجھے وہاں نہیں مل سکیں یعنی روحانیت اجتماعیت اورانقلابیت البتہ تبلیغی جماعت سے مجھے ایک فائدہ ضرور ہوا۔ مجھے رائے ونڈ میں ایک اچھا اور مخلص دوست مل گیا۔ یہ حافظ عبدالواحد شاہوانی صاحب تھے۔جن کا تعلق مستونگ سے تھا۔ جو مولانا محمد صدیق شاہوانی مرحوم کے فرزند ہیں یہ میرے بی ایس او کی سیاست کے دوران جمیعت طلبائے اسلام مستونگ کے امیر ہوا کرتے تھے۔ یہ بھی چلّے کے سلسلے میں رائے ونڈ آئے ہوئے تھے۔میرے بعد کے ادوار میں یہ بھی میرے ہم سفر رہے۔

آئیڈیل شخصیت کی تلاش

میرا تبلیغی جماعت کا سفر دو سالوں پر محیط رہا۔ 76 کے آخر سے شروع ہوکر 78 کے اختتام تک تقریباً اختتام پذیر ہو چکا تھا۔اب میں ایک ایسی روحانی شخصیت کے تلاش میں تھا جو مجھے روحانی سکون کی راہ دکھا سکے۔کہ جس کے ذریعہ میں سیر وسلوک کی راہیں طے کرسکوں۔ جوتقویٰ و پرہیز گاری کا عملی نمونہ ہوکہ جس کو دیکھ کر رسول اللہ کی یاد تازہ ہوجاتی ہو۔ جو ہمارے معاشرے کے انفرادی و اجتماعی مسائل، محروموں، مظلوموں، بے سہارا انسانوں کے حقوق ان کی مشکلات دور کرنے اور معاشرے میں تبدیلی کی بات کرے۔ امت مسلمہ کا درد رکھتا ہو۔ جو معاشرے میں عدل وانصاف کے نظام کے قیام کی کوشش کرے۔

مجھے اکثر دوستوں اور بزرگوں نے مشورہ دیا کہ جب تک آپ تطہیر باطن واصلاح نفس کے مرحلے سے نہیں گزریں گے۔آپ میں یہ بے چینی واضطراب باقی رہے گا۔آپ کسی مرشد کامل کو تلاش کیجیے اوراس کے دست پر بیعت ہوجائیں۔باقی تمام روحانی سفر وہ آپ کواپنی نگرانی میں طے کرائیں گے۔

اب ایک نئے سفر پر روانہ اور ایک نئی منزل کی تلاش شروع کردی میں نے فیصلہ کیا کہ اب آنکھ بند کر کے کسی شخص کے پیچھے نہیں لگنا اور اس کی شخصیت سے متاثر نہیں ہونا۔

پہلے غور سے اس کی شخصیت حالات اور تصور اسلام کا تنقیدی جائزہ لینا ہے اس کے رہن سہن اورطرزعمل کو دیکھنا ہے پھر آگے بیعت کا مرحلہ طے کرنا ہے۔

روحانیت کے لبادے میں ریاکاری اور دورنگی

اس سلسلے میں بہت سے بزرگ حضرات سے ملاقاتیں رہیں ان کی نشستوں میں شرکت ذکر و اذکار روحانیت کے طریقے دیکھے۔ اسلام اور عالم اسلام کے بارے میں ان کے تصورات کا جائزہ لیا۔جن میں سے چند افراد کا ذکر کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔مولانا عبداللہ درخواستی پیرزین الدین آغا،مولانا اللہ یار چکڑالوی،کراچی کے سید زائر حسین شاہ صاحب ان میں سے کچھ بزرگوں کے ساتھ چند دن قیام کرنے کا بھی موقع ملا۔حالات کا قریب سے مشاہدہ کیا۔لیکن مجھے میرے تصور اسلام کے مطابق مسیحا کہیں بھی نہیں ملا زیادہ تر افراد کو دین و روحانیت کے لبادے میں دنیا داری اور ریا کاری میں مبتلا پایا۔جن کا طریقہ کار خشک اذکار، وظائف چلے ریاضت کروانا تھا۔پھر ان لوگوں کے اندر بھی دو شخصیتیں بیک وقت موجود تھیں۔ غریبوں کے ساتھ الگ اورامیروں کے ساتھ الگ روپ غریبوں کا لنگرا لگ اورامیروں کا الگ ان کے مریدوں کے درمیان اُٹھنے بیٹھنے کا خاص انداز، غیر ضروری علمیت بگھارنا، مراقبے کی حالت میں چلے جانا، کشف وشہود کی باتیں سن کر مجھے کچھ ہی دنوں میں ان سے وحشت اور نفرت ہونے لگتی۔اور یہ مجھے مظلوم انسانوں کے روحانی استحصال گر نظر آئے۔

مجھے مرشد کامل کی تلاش میں اب اتنی مہارت حاصل ہوگئی تھی کہ میں ایک نشست میں اصل چھپی شخصیت کو پہچان جاتا کہ اس شخصیت کی اصلیت کیا ہے۔اس سلسلے میں چند مزیدار قسم کی باتیں بھی سامنے آئیں جن سے محظوظ بھی ہوا جاسکتا ہے۔ایک بزرگ کے پاس حاضری دی۔ پہلے دین مکتب اور روحانیت کی بڑی گاڑھی قسم کی باتیں کیں۔ مسلمانوں کی حالت پر اپنی دردانگیزی کا بھی تذکرہ کیا۔اخلاص وایمان پر بھی لیکچر دیا لیکن رات کو نشست خاص میں باتوں باتوں میں وہ قبیلہ پرستی اوراپنے سردار کے محاسن وخوبیوں

کے رطب اللسان نظر آئے اور ساتھ ساتھ دیوبند فرقہ کے فضائل اور اسلام کے دیگر فرقوں کے نقائص پر بھرپور گفتگو ہوئی تو میں نے کہا کہ ان کے اندر بہ یک وقت دو وجود پرورش پا رہے ہیں۔ قبیلہ پرست اور دیوبند پرست، مجھے ان میں مسلمان نظر نہیں آیا۔

مولوی صاحبان کی تنگ نظری

کوئٹہ کی ایک جامع مسجد کے خطیب کا سنا کہ بڑے پہنچے ہوئے بزرگ ہیں۔ میں دوستوں کے ہمراہ جمعہ کی نماز ان کے پیچھے پڑھنے چلا گیا کہ نماز کے بعد نشست ہوگی۔ اس دن انہوں نے اپنے خطبے میں مولانا مودودی پر وہ کیچڑ اُچھالی کہ الامان والحفیظ، اور بنیاد اپنے ایک مقتدی کے خواب کو بنایا۔ کہ اس نے خواب میں مولانا کو عذاب کا شکار ہوتے دیکھا ہے۔ مجھے تو خطیب صاحب کی عقل پر شک گزرنے لگا۔ کہ جس میں اتنی بھی سمجھ بوجھ نہیں ہے کہ ایک فرد کے خواب کو بنیاد بنا کر فیصلے کر رہا ہے۔ اور عالم اسلام میں نفرت، انتشار میں اضافہ کر رہا ہے۔

اسی طرح ایک صاحب طریقت بزرگ کہ جن سے نئی نئی قربت ہوئی تھی۔ رمضان کے مہینے میں اپنے جمعہ کے خطبے میں حکومت پر برس رہے تھے کہ وہ جھٹ پٹ بارڈر پر چین (پولیس چوکی) لگا کر پنجاب سے آنے والے حفاظ کی آمد کو روکے کیونکہ رمضان کی تراویح میں اہل پنجاب کے آجانے سے ہمارے حفاظ کی مارکیٹ متاثر ہوتی ہے۔ پنجاب ہمارا اس شعبے میں بھی استحصال کر رہا ہے۔ ایک صاحب ان کے پاس گئے وہ مسجد میں تشریف فرما تھے۔ انہوں نے سب کے سامنے زور سے گلے کو کھنکارتے ہوئے مسجد کے کونے میں فرش اُٹھا کر تھوکا۔ میرا دل فوراً بدظن ہو گیا کہ جو شخص بنیادی اخلاقیات سے واقف نہیں وہ کیا روحانی راہیں طے کرائے گا۔ اب مجھے اندازہ ہو چکا تھا کہ اسلام تو ایک ہے لیکن مذہبی لوگوں کی بھی بے شمار قسمیں ہیں۔ اور ان میں ہر قدم پر اختلاف رائے موجود ہے۔

میں راتوں کو اکثر جب میرے دل پر ایک خاص اضطراب کی کیفیت ہوتی نماز تہجد میں گڑگڑا کر دعائیں مانگتا۔

"کہ پاک پروردگار میری مدد فرما، میری رہنمائی فرما میری حق و صداقت سچائی کی طرف ہدایت کر دے۔ میں ایک ایسے چوراہے پر کھڑا ہوں کہ جہاں سے مختلف راستے جاتے ہیں مجھے کچھ اندازہ نہیں کہ کون سا راستہ سیدھا تیری طرف جاتا ہے۔ تو اپنے لطف و کرم سے مجھے وہاں تک پہنچا دے۔ میں اپنی ناتوانی سے وہاں تک نہیں پہنچ سکتا۔" اکثر و بیشتر مجھ پر گریہ کی کیفیت طاری ہو جاتی دوسری چیز کہ جس سے مجھے سخت نفرت اور چڑ تھی وہ ان علماء کا فرقہ وارانہ ذہن تھا۔ جو بہت محدود پیمانے پر سوچتے اور دوسرے مکاتب فکر سے ہم آہنگی اور اتحاد و اتفاق کو بڑی مشکل سے ہضم کرتے۔ مجھ پر شاید سیکولر نیشنلسٹ تنظیموں کا اثر تھا۔ یا والد صاحب کی کھلی اور صاف ستھری تربیت کا اثر کہ میں فرقہ واریت کی سطح سے بالاتر ہو کر اسلام کی ہمہ گیر انقلابی تحریک کے حوالے سے سوچتا اور میں تمام مکاتب فکر کی کتابیں پڑھنا لازمی سمجھتا تھا۔ تاکہ فکر میں وسعت پیدا ہو۔ اور حق و صداقت کی کوئی بات مجھ سے چھوٹ نہ جائے۔ میری نظر سے قرآن کی یہ آیت گزری جس نے میرے اس یقین کو اور زیادہ پختہ کیا۔

الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ ۭ اُولٰۤىِٕكَ الَّذِيْنَ هَدٰىهُمُ اللّٰهُ وَاُولٰۤىِٕكَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿١٨﴾ (سورہ زمر، آیت نمبر 18)

ترجمہ: بس خوشخبری دو میرے ان بندوں کو جو سب کی باتوں کو سنتے ہیں اور ان میں سے اچھی اور حق بات کی پیروی کرتے ہیں۔ یہی لوگ اللہ کی طرف سے ہدایت پر اور صاحبان عقل ہیں۔

تیسرے یہ کہ میں کسی فرقہ کی تلاش میں نہیں تھا میں تو تحقیق اور ریسرچ سے اس صداقت تک پہنچ چکا تھا کہ اسلام ہی میں ہماری نجات پوشیدہ ہے اور ہمیں اسلام کی انقلابی تعلیمات کو معاشرے میں تبدیلی کا ذریعہ بنانا چاہیے اس حوالے سے اتحاد بین المسلمین بہت ضروری ہے۔

اُمت میں تفرقے کی سازش

ادھر اپنے ملک میں نوجوانوں میں بیداری اور انقلاب کے بڑھتے ہوئے اثرات کو دیکھتے ہوئے میں نے اپنے دوستوں کو سیاسی بصیرت کی روشنی میں پیش گوئی کردی تھی کہ مجھے محسوس ہورہا ہے کہ امریکی استعمار ہمارے ملک میں مستقبل قریب میں فرقہ واریت پھیلانے کی منصوبہ بندی میں مصروف ہے۔ اور چند سالوں میں ملت مسلمہ کی وحدت کو پارہ پارہ کردیا جائے گا۔ انہیں مصنوعی اور غیر حقیقی مسائل میں اُلجھا کر ایک دوسرے کا دشمن بنا دیا جائے گا۔ ان ہی دنوں میں ڈاکٹر اسلام محمود مصری جامعہ الاظہر مصر کی کتاب ''شیعہ سنی مسئلہ ایک بے حقیقت غوغہ'' نظر سے گزری۔ جو انہوں نے 1982ء میں تحریر کی تھی۔ اس کتاب میں انہوں نے مختلف اسلامی ممالک کے اپنے سفر کی روداد قلمبند کی تھی۔ مقبوضہ فلسطین غزیٰ ویسٹ بینک کے اپنے تاثرات میں لکھتے ہیں کہ مجھے ایرانی انقلاب سے جتنی شدید نفرت کا احساس اس علاقے میں ہوا۔ اتنا عالم اسلام میں کسی دوسری جگہ پر محسوس نہیں ہوا۔ خصوصاً ایسے لٹریچر کی بھرمار تھی۔ جس میں ایرانیوں کو ''راس المجوس'' کہا گیا تھا۔

مجھے اس پر بڑی حیرت ہوئی کہ جس علاقے پر سب سے زیادہ انقلابی اثرات پڑنے چاہئے تھے۔ اور جو خود بدترین اسرائیل کی غلامی کا شکار ہیں۔ وہاں اس نفرت کی کیا وجہ ہوسکتی ہے۔ تھوڑی دیر وہاں کے ارباب نظر سے گفتگو کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا کہ اسرائیلی سیکرٹ سروس موساد چند مقامی وظیفہ خور ملاؤں کے ساتھ مل کر اہلِ تشیع کے خلاف فرقہ وارانہ موضوعات پر کتابیں لکھوا کر گھر گھر تقسیم کررہی ہے۔ جس سے سادہ لوح افراد میں انقلاب دشمنی پیدا ہورہی ہے اور ہمارے اپنے ملک میں اسی پروگرام پر عمل پیرا ہونے کی تیاریاں کی جارہی تھیں۔ اس کے لئے وظیفہ خور تنگ نظر جنونی ملاؤں کی فہرست اور مطبوعہ ٹاسک کے حصول کی فزیبلٹی تیار ہورہی تھی۔

اس حوالے سے میرا تجزیہ درست ثابت ہونے لگا فرقہ پرستی پر پہلی کتاب جو میری

نظر سے گزری اور جسے میرے بہت سے جاننے والوں نے بطور تبرک مجھے ہدیہ کیا۔ وہ تبلیغی جماعت کی بزرگ ترین ہستی مولانا منظور احمد نعمانی کی تھی جن سے مجھے تبلیغی جماعت کے دنوں سے قریبی ارادت تھی۔ آپ کا تعلق انڈیا سے تھا، اور کثیر التصانیف تھے، اور اکثر پڑھے لکھے باشعور لوگوں کو تبلیغی جماعت کے بزرگان انہی کی کتابیں ریفر کرتے تھے۔ میں نے بھی اس زمانے میں ان کی کتاب ''معارف الحدیث'' خرید کر کئی دوستوں کو ہدیہ کی تھی ان کی نئی کتاب کا نام ''ایرانی انقلاب شیعیت اور امام خمینی'' تھا۔ اس میں وہی فلسطین میں موساد کا سا انداز اختیار کیا گیا تھا۔ مولانا مذکورہ کتاب کے مقدمے میں خود وجہ تالیف تحریر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ایران کے انقلاب سے تمام عالم اسلام خصوصاً برصغیر کے جوانوں میں تحریک اور مہم جوئی پیدا ہوئی ہے۔ جوانوں میں جوش وخروش اور انقلابی جذبات کروٹیں لے رہے ہیں جس سے ہمیں خطرہ ہے کہ لوگ شیعیت کی طرف راغب نہ ہوجائیں۔ اس کے لئے 80 برس کی عمر میں اس انقلاب کے اثرات کو روکنے کی کوشش کی ہے اور شیعہ سنی تاریخی اختلاف کو چھیڑ کر مسلمانوں کے درمیان تفرقہ، دوری اور نفرت پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے یہ کتاب اتنی زیادہ تعداد میں اور دنیا کی ہر بڑی زبان میں ترجمہ کرکے ہر گھر میں پڑھے لکھے افراد میں مفت تقسیم کی گئی۔ اتفاق سے میرے جو کرم فرما کہ جو مجھے اس حوالے سے جانتے تھے کہ میں انقلابی ذہن رکھتا ہوں اور اتحاد بین المسلمین کا خواہاں ہوں انہوں نے مجھے بہت زیادہ کاپیاں بھیجیں اور ہر خیر خواہ کی یہ خواہش ہوتی کہ میں اس کتاب کو ضرور پڑھوں اس کتاب کے بعد تو گویا منظم طور پر فتنہ پرور فرقہ پرست مولویوں کی تیز رفتار تعلیمات کا آغاز ہوگیا جس کی پشت پناہی عرب ممالک سعودی عرب وغیرہ کے ڈالر کام کررہے تھے، اور خصوصاً ایران سے نزدیک ملحقہ سرحدی علاقوں میں جہاں آبادی بھی بہت کم اور جنہیں بنیادی انسانی ضروری سہولتیں بھی میسر نہیں جہاں پینے کے پانی اور بجلی اور روڈ کا نام نشان تک نہیں ہے وہاں بڑے بڑے مدارس اور مساجد دارالعلوم بننے شروع ہوگئے۔ اور کوئٹہ سے گلگت اور کراچی سے پارہ چنار تک فرقہ وارانہ فساد شروع ہوگئے جو رکنے کا نام ہی نہیں لیتے۔

جماعت اسلامی سے رفاقت

ہماری کوشش یہ تھی کہ یہاں انقلابی قوتوں کو استحصالی طبقات کے خلاف جدوجہد کے لئے آمادہ کیا جائے۔ ان میں مشترک نکات پر ہم آہنگی پیدا کی جائے، اور ایران کے انقلاب کی وجہ سے جو مسلم اُمہ میں جوش وخروش پیدا ہوا ہے۔ اس کی حرارت کو برقرار رکھا جائے۔ اسلامی جماعتوں میں واحد پارٹی جماعت اسلامی باقی رہ گئی تھی جو انقلاب کی حمایت کرتی تھی۔ انقلاب کے اوائل میں امیر جماعت مولانا مودودی نے انقلاب کی حمایت کی تھی۔ ہم اسی انقلابی جذبے کے ساتھ جماعت میں شامل ہوئے۔

جماعت اسلامی سے میری رفاقت چار پانچ سالوں پر محیط ہے۔ یہی وہ جماعت ہے کہ جس میں ہم نے زیادہ عرصہ گزارا۔ اس میں شاید اس وقت کے امیر جماعت صوبہ بلوچستان مولانا عبدالحمید مینگل سے ذاتی قرابت اور ان کی محبت کا دخل ہے مولانا سے گھنٹوں مختلف اسلامی وتاریخی وسیاسی موضوعات، پاکستان میں انقلاب کی صورت حال، اتحاد بین المسلمین، سامراج کے خلاف جدوجہد، عالمی انقلابی تحریکوں پر گفت وشنید رہتی جن میں کبھی امان اللہ کنرانی، مولانا عبدالغفور بلوچ، مولانا عبدالعزیز، ڈاکٹر عطا الرحمان بھی شامل رہتے۔ اس سلسلے میں مجھے متعدد دفعہ اپنے دوستوں کے ہمراہ منصورہ بھی جانا پڑا۔

جہاں جماعت کی اعلیٰ قیادت میاں طفیل محمد قاضی حسین احمد سید اسعد گیلانی، مولانا خلیل حامدی سے طویل نشستیں رہیں ان میں سے بہت سے بزرگ بعد میں میرے غریب خانے میں تشریف لاتے رہے۔ روایتی علماء کی بہ نسبت مجھے جماعت کے لوگ زیادہ پڑھے لکھے لگے کیونکہ وہ عقلی ومنطقی استدلال کو سمجھتے ہیں حالات حاضرہ سے بخوبی واقف ہیں ان کا لٹریچر بھی زیادہ کھلے ذہن کا ہے، موجود پرنٹ میڈیا پر بھی ان کا خاصا اثر ہے۔ تنظیمی صلاحیت بھی بہتر ہے۔ جماعت والوں نے مجھے ضلع بولان کا امیر مقرر کر دیا۔ مولانا عبدالحمید مینگل نے مجھے مولانا مودودی کی کتابیں بھجوائیں۔ ایک دفعہ غلام علی کے ہاتھ دو بوریاں

چھوٹے کتابچے بھجوائے جو سب روسی سوشلزم کے خلاف تھے۔ میں نے جو بات شدت سے محسوس کی وہ یہ کہ روس کے خلاف تو لٹریچر کی بھرمار ہے، لیکن امریکہ، یورپ اور اسرائیل کے خلاف کچھ نہیں جبکہ ہم روس سے زیادہ انسانیت کے استحصال کا ذمہ دار امریکہ واسرائیل کو سمجھتے تھے۔ مولانا عبدالحمید سے میں نے اس بات کی شکایت کی۔ تو انہوں نے میرے مؤقف کو درست تسلیم کرتے ہوئے اقرار کیا کہ ہمارے پاس امریکہ کے خلاف مواد نہیں ہے دوسری اہمیت کی حامل بات جماعت کی انقلاب سے وابستگی تھی جب ہم منصورہ گئے۔ ہم نے وہاں ایک بھی استعمار دشمن شخص نہیں دیکھا۔ کسی بھی مقتدر شخصیت کی زبان پر انقلاب وتبدیلی، محروموں ومظلوموں کی بات نہیں سنی اس پر میں نے احتجاج بھی کیا۔ اس پر جماعت اسلامی پنجاب کے امیر سید اسعد گیلانی نے مجھے علیحدہ لے جا کر کہا میر صاحب ہماری مجبوری ہے کہ ہم ایران کی مکمل حمایت نہیں کر سکتے۔ میں نے کہا ایسا کیوں ہے اور اس میں کیا قباحت ہے تو مولانا نے میرے کان میں قریب ہوتے ہوئے کہا کہ عرب سرمایہ (Petro Dollar) اگر ہم ایران کی کھل کر حمایت کریں گے۔ تو عرب ممالک ناراض ہو جائیں گے اور ہماری امداد بند کر دیں گے۔ تیسری اہم بات جو میں نے مشاہدہ کی کہ عالمی سامراجی قوتوں نے ایران کے انقلاب کے اثرات کو روکنے کے لئے فرقہ وارانہ فسادات کا آغاز کر دیا تھا۔ ملک کے طول وعرض میں کراچی سے لے کر پارہ چنار اور گلگت سے لے کر کوئٹہ تک جگہ جگہ منظم انداز میں مسلمانوں کے درمیان فرقہ وارانہ فسادات کرائے جا رہے تھے۔ سیلابی انداز میں شیعوں کے خلاف منافرت پر مبنی لٹریچر کی تقسیم اور فسادات میں ہزار ہا بے گناہ افراد بھینٹ چڑھ گئے۔ جماعت والے باوجود اس سازش سے آگاہی ہونے کے (اور اس زمانے میں تو یہ ضیاء الحق صاحب کی بی ٹیم بنے ہوئے تھے) مصلحت کوشی سے کام لیتے اور عرب مالی امداد بند ہونے کے خوف سے مثبت قدم نہیں اُٹھاتے تھے۔

چوتھے میں نے جماعت کی لیڈر شپ میں دو رویے محسوس کئے اندر اور باہر سے فرق محسوس ہوا۔ قاضی حسین احمد جو اس زمانے میں جنرل سیکرٹری کے عہدے پر فائز تھے۔

بلوچستان کے دورے پر آئے تو مجھ میں میرے غریب خانے میں بھی تشریف لائے دوران گفتگو انہوں نے ایران کے اسلامی انقلاب کی بھرپور حمایت کرتے ہوئے اس انقلاب کو عصر حاضر کا عظیم اسلامی انقلاب قرار دیا۔ دوسرے دن میں الفلاح ہاؤس میں قاضی صاحب سے ملنے گیا۔ کمرے سے ان کے پشتو میں خطاب کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ میں کمرے کے باہر ٹھہر گیا۔ جوتوں سے اندازہ ہوا کہ افغانستان سے تعلق رکھنے والے مجاہدین کا اجتماع ہے۔ میں داخل ہونے کے لئے جوتے اتار رہا تھا کہ کانوں میں آواز پڑی کہ ایران کا انقلاب ایک شیعہ انقلاب ہے اور وہ انقلاب کی مخالفت کر رہے تھے۔ مجھے یہ سن کر سخت صدمہ ہوا اور قاضی صاحب کے مؤقف میں یک لخت تبدیلی سے حیرت زدہ بھی تھا، میں وہیں سے بغیر ملاقات کیے واپس ہو گیا۔ مجھے اندازہ ہو گیا کہ جماعت اسلامی میں بصیرت شعور و آگاہی کی موجودگی کے باوجود بے عملی، مصلحت کوشی، اصولوں اور نظریات پر مالی مفادات کا غالب آجانا موجود ہے اور جب ایسی صورت حال سے کوئی فرد یا گروہ دو چار ہو جائے وہاں اصولوں پر سودے بازی، کردار کا زوال، موقف میں کمزوری، عزم و استقلال کا شکستہ ہو جانا اور اخلاقی اقدار کا زوال آجاتا ہے۔ تجزیہ اور گہرے مشاہدے کے بعد ہم دوست اسی نکتہ پر پہنچے کہ جماعت اسلامی ایک منظم اسلامی جماعت ہے اور بس 86-1985ء تک جماعت سے تعلق وادارت کی کیفیت ختم ہو چکی تھی۔ اور بظاہر جماعت سے مایوس ہو چکے تھے۔

ایران کا سفر

جہاں تک ایران جانے کا سوال ہے مجھے انقلاب کے بعد انقلاب کی سالگرہ کے موقع پر ایرانی حکومت کی طرف سے متعدد بار دعوت دی گئی۔ لیکن میرا موقف یہ رہا کہ جو قریبی مشاہدہ انفرادی سفر سے حاصل ہوتا ہے وہ حکومتی سطح پر حاصل نہ ہو پائے گا۔ میں وہاں عوام پر انقلاب کے اثرات انقلابی قیادت ادارے، علماء اور محرومین و مستضعفین کی حالت کا جائزہ لینا چاہتا تھا۔ 1988ء کے وسط میں چند قریبی دوستوں کے ہمراہ ایران

گیا۔ ساتھ ساتھ بچپن سے اسلام کے متعلق بنے ہوئے خیالات اور قرآن وسنت کے مطابق ہمارے ذہنوں میں موجود اسلامی معاشرے کو تلاش کرنا تھا۔ اور شاید ہمیں ایران میں اسلام کے تصورات کے تحت انسان کامل مل جائے۔ جہاں ہماری روحانی پیاس بجھ سکے۔ اور جدید ترین اسلامی معاشرے کیسے قائم ہو سکتا ہے اس کو دیکھنے کی خواہش تھی۔

تحقیق کا آغاز

ایران سے وطن واپسی کے بعد کچھ عرصہ تک ایک سرشاری کی کیفیت رہی۔ انقلاب کے بعد ایران میں ہونے والی تبدیلیوں نے مجھے بہت متاثر کیا۔ لیکن ایک سوال جو مسلسل میرے ذہن میں کھٹکتا تھا کہ وہ کون سا جذبہ اور کون سی قوت تھی جس نے ایران کے نہتے عوام کو رضا شاہ پہلوی جیسے باسطوت حکمران کے مقابلے میں لا کھڑا کیا اور عوام نے بادشاہ کو اقتدار سے الگ کر کے ملک کی باگ ڈور سنبھال لی۔ جس قدر اس موضوع پر غور کیا اور دوستوں کے ساتھ مباحث کیے ایک ہی بات سامنے آتی اور میں اسی نتیجے پر پہنچتا کہ یہ ایران کے عوام کے مکتب اور مذہب کا درس ہے جس کے باعث آج وہ آبرومند اور آزاد ہیں اور یہ قوت انہیں کربلا سے ملی ہے جس کے باعث انہوں نے اتنا بڑا انقلاب برپا کیا۔
اور اس سلسلے میں بانی انقلاب امام خمینیؒ کا ایک قول بھی نظر سے گزرا کہ:

''یہ سید الشہداءؑ کا خون ہے کہ جو تمام ملتوں کے خون میں جوش و حرارت پیدا کرتا ہے کربلا کو زندہ رکھیئے اور حضرت سید الشہداءؑ کے نام مبارک کو زندہ رکھئے کہ ان کے زندہ رہنے سے اسلام زندہ رہے گا۔''

جیسا کہ میں نے پہلے بتایا کہ مجھے زمانہ طالب علمی سے ہی تاریخ کے مطالعہ کا شوق رہا ہے اور میں نے دیکھا کہ تاریخ کے ہر دور میں شیعہ عوام نے بادشاہت اور ملوکیت کے خلاف جدوجہد کی۔ اور انقلاب برپا کئے لیکن چند امور میں شیعہ حضرات کے حوالے سے بچپن سے ذہن میں چند شبہات تھے۔ جیسا کہ بعض صحابہ کرام کو نہ ماننا، اور قرآن پاک کی تحریف کا قائل

ہونااورمحرم الحرام میں عزاداری کے مراسم میں ماتم کرناوغیرہ یہ ایسی چیزیں تھیں کہ جن کے بارے میں تحقیق کرنا چاہتا تھااوراس بارے میں ان کا صحیح عقیدہ معلوم کرنا چاہتا تھا۔

اہلِ تشیع میں مراسم عزاداری اوراس کا پس منظر

شیعہ حضرات ایام محرم میں امام حسینؑ اور ان کے اصحابؓ کی قربانی کی یاد میں عزاداری کرتے ہیں۔جس میں شہدائے کربلا کی یاد میں مجالس، ماتم اور جلوس وغیرہ نکالے جاتے ہیں۔اورمحرم میں ریڈیو، ٹی وی اوراخبارات میں مصائب اہلبیت کو اتنا زیادہ دہرایا جاتا ہے کہ محسوس ہوتا ہے جیسے یہ واقعہ اسی سال رونما ہوا ہے ہمیں بچپن سے یہ بتایا گیا تھا کہ ان کی مجالس ومحافل میں نہیں جانا چاہئے یہ لوگ ان محافل میں ہمارے بزرگوں پر تنقید کرتے ہیں روتے پیٹتے ہیں ماتم کرتے ہیں جو بدعت ہے۔اس حوالے سے جب میں نے تحقیق کا آغاز کیااور جب میں نے چند دوستوں کے ہمراہ مراسم عزاداری میں شرکت کی۔تو میں عزاداری کا حقیقی فلسفہ اوراس کے انقلابی اثرات دیکھ کر حیران ہوگیا۔

یہ عزاداری اوراس کے جلوس اصل میں یزیدی آمریت سے لے کر آج تک تخت وتاج ظالم وجابر مطلق العنان ڈکٹیٹر شپ اورآمریت کے خلاف ہونے والے اس احتجاج کا تسلسل ہیں۔جس نے آج ایک مذہبی رسم کی صورت اختیار کرلی ہے۔اس کا آغاز اس وقت ہوا جب امام حسینؑ کی شہادت کے بعد دجلہ وفرات سے حلب تک پھیلے ہوئے جنگجو قبائل نے احتجاجی مزاحمت شروع کی تھی۔اوران کا مشہورنعرہ تھا یالثارات الحسین اُٹھواورخون حسینؑ کا انتقام لو یہ تحریک واقعہ کربلا کے بعد عام چھوٹے بڑے شہروں میں پھیل گئی۔خصوصاً جن شہروں سے اہلبیت کے اسیروں کا قافلہ دمشق لے جانے کے لئے گزراوہ شہر انقلابی تحریک کے کیمپوں میں تبدیل ہوگئے جن میں موصل،تکریت،کرۃ النعمان،سیبور،حران حمص اورحلب خاص مراکز تھے۔

یزید کی افواج نے ان مجاہدین کوسختی سے کچلنے کی روش اپنائی۔ان میں سے چار ہزار کے قریب مظاہرین نے امام حسینؑ کی قبر پرآکرزوردار احتجاجی مظاہرہ کیااور ماتم وگریہ آہ و

فغان کا وہ بازار گرم کیا کہ تاریخ میں اسے توابین کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ان لوگوں نے قبرامام حسینؑ پر عہد کیا کہ ہم یزید سے اماؑم کا بدلہ لیں گے۔بعد میں یہ چار ہزار افراد اپنے گھروں کوواپس نہیں گئے صحابی رسول حضرت سلیمان ابن صرد خزاعی اوران کے ساتھی بڑی تعداد میں یزیدی فوج سے لڑتے ہوئے شہید ہوگئے بنواُمیہ کی آمریت نے بہت سے قبائل کو جبراً حلب کی طرف دھکیل دیا۔جہاں انہوں نے امام کی عزاداری برپا کی۔اور یزید کے خلاف جنگ کرنے کا عہد کیا۔قدیم بلوچی منظومات خصوصاً بلوچی حسب نسب کی نظم کرد گال نامک اورقاضی گنجابوی کے اشعار سے بھی ان واقعات کی صداقت کا پتہ چلتا ہے۔

واقعہ کربلا کے بعد حامیان اہلبیتؑ کے یہ قبائل ایک لمحہ بھی چین سے نہیں بیٹھے یہ مسلسل حکومتوں کے خلاف شورش،مزاحمت اور قیام کرتے اور جابران زمانہ کے تخت وتاج کو چیلنج کرتے رہے اوراہلبیت کی حکومت کا مطالبہ کرتے رہے۔جس کی وجہ سے انہیں دجلہ وفرات کے مرغزاروں سے متعدد بار ہجرتیں کرنی پڑیں۔اور یہ انقلابی قبائل حلب سے ہجرتیں کرتے ہوئے کرمان،سیستان آگئے۔یہاں بھی یہ شورش پسند اور ریاست کے مخالفین خیال کئے جاتے تھے۔لوگ ان سے نفرت کرتے اور انہیں اچھا خیال نہیں کرتے تھے۔یہ روش صدیوں سے جاری رہی۔بنواُمیہ کے زوال کے بعد بنوعباس نے بھی ان حامیانِ اہلبیت کے ساتھ ظلم وزیادتی کا رویہ برقرار رکھا۔تاریخ لکھتی ہے کہ ایام محرم میں عاشورہ کے دن سادات اور ان کے حامی کالے کپڑے پہن کر اور سُرخ احتجاجی پرچم اور بینرز اُٹھائے یاحسینؑ یاحسینؑ کہہ کر بازاروں میں احتجاجی جلوس نکالنے کی کوشش کرتے اور ظالم وجابر بادشاہانِ وقت ان کے اس عمل سے خوف زدہ ہوجاتے ہیں۔اورانہیں ایسا کرنے سے روکنے اورمظلوموں کی حمایت میں نکالے جانے والے اس جلوس کووہ اپنی آمریت کے خلاف ایک انقلابی تحریک خیال کرتے اور عام لوگوں کو ان سے دور رکھنے کی کوشش کرتے۔علماء سے فتاویٰ جاری کرواتے کہ یہ دین دشمن تحریک ہے۔ان کے قریب مت جاؤ۔یہ اسلام کے خلاف ایک سازش ہے۔ہم اللہ تعالیٰ کی طرف سے تم پرحکمران بنائے گئے ہیں۔ہم زمین پر

اللہ کے نائب،خلیفہ اور جانشین ہیں۔اس لئے بلا چوں وچراں ہماری اطاعت کرو۔

اہلبیت کے حامی افراد کا یہ عاشورے کا احتجاجی مظاہرہ رفتہ رفتہ تمام عالم اسلام میں رائج ہو گیا۔ یہ غالباً دنیا کا واحد مکتب فکر ہے جو مظلوموں کی حمایت اور آمریت و بادشاہت و ملوکیت کے خلاف مسلسل چودہ سو سال سے احتجاج میں مصروف ہے۔ جو ایک عادلانہ حکومت کے قیام کی بات کرتا ہے۔ جو محروم اور پسے ہوئے طبقات کے حقوق کی بات اور ان کے حقوق کے لئے آواز اُٹھاتا ہے۔اور ہمیں عالم اسلام پر مسلط جابر بادشاہت کے خلاف اگر کوئی تاریخ میں حزب اختلاف نظر آتی ہے وہ یہی حسینوں کا مظلوم گروہ ہے جن سے نفرت کی جاتی رہی اور چودہ سو سالوں میں ہمیشہ ان کا قتل عام ہی ہوتا رہا ہے۔ان کا یہ احتجاج خلوص درد و سوز شجاعت اور ہدف کے لئے لازوال قربانی دینے کا جذبہ پیدا کرتا ہے۔

امام حسینؑ کی عزاداری کے اجتماعات رنج وغم،خلوص،درد،سوز،احتجاج،شجاعت، میں ڈوبے ہوتے ہیں ان میں شرکت سے ظالم اور ظلم سے نفرت،عظیم جوش وخروش، افکار میں پاکیزگی اور مظلوموں کی حمایت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمیشہ حکومتوں کی طرف سے لبنان،شام،عراق،سعودی عرب،ایران وغیرہ میں ان اجتماعات پر پابندی لگانے کی کوششیں ہوتی رہیں۔لیکن یہی عزاداری تھی کہ جس نے دنیا کی سب سے قدیم اور مضبوط پہلوی بادشاہت کو اپنے ملک سے چلتا کر دیا۔لبنان میں حسینیوں نے حزب اللہ کے پلیٹ فارم سے اسرائیل جیسی ناقابل شکست قوت کو ذلیل کر کے جنوبی لبنان میں شکست دی اور عراق میں بعث پارٹی کے برسر اقتدار آنے کے بعد سے شروع ہونے والی انقلابی جدوجہد میں لاکھوں افراد مارے جا چکے ہیں۔جبکہ دوسری طرف آپ دیکھیں چودہ سو سالوں سے اکثر سنی معاشرے بادشاہوں،ڈکٹیٹروں اور آمروں کے قبضے میں چلے آرہے ہیں۔ جہاں کے حکمران زیادہ تر اپنی حکومت کی بقاء کے لئے استعماری قوتوں کے آلہ کار بنے ہوئے ہیں اور اپنے عوام کا استحصال کر رہے ہیں۔عوام کے پاس چونکہ کربلا جیسا متحرک بیدار اور انقلابی پلیٹ فارم نہیں ہے۔اس وجہ سے ان ممالک میں

عوام کی انقلابی جدوجہد کامیاب نہیں ہو پا رہی۔اگر تحریک اُٹھتی بھی ہے تو کچھ عرصہ بعد پُر تشدد یا انتہا پسند گروہوں کے ہاتھ لگ جاتی ہے۔اس کے مقابلے میں شیعہ معاشرے متحرک،بیدار انقلابی روشن فکر اور عدل اجتماعی کے لئے زیادہ کوشاں نظر آتے ہیں اور یہ عزاداری ان میں استعمار سے مقابلہ کرنے کا لازوال جذبہ پیدا کر دیتی ہے۔

شیعہ حضرات اور تحریف قرآن کا نظریہ

قرآن مجید کے متعلق بھی یہی مشہور ہے کہ ان کا قرآن چالیس پاروں کا ہے اور دس سپارے بکری کھا گئی تو ایسی کوئی بات شیعہ حضرات میں نہیں دیکھی گئی بلکہ وہ تو اس بات کے قائل ہیں کہ یہ قرآن پاک جو اس وقت عام مسلمانوں کے ہاتھوں میں موجود ہیں اس میں نہ ایک حرف زیادہ ہے اور نہ ایک حرف کم بلکہ اس کے تمام حروف تواتر سے ثابت ہیں۔ میں نے پاکستان اور ایران میں سینکڑوں مساجد امام بارگاہوں میں کلام مجید چیک کئے۔ کہیں بھی مجھے مختلف نسخہ نظر نہیں آیا۔اور نہ چودہ سو برسوں میں آج تک کوئی ایسا دعویٰ نظر سے گزرا کہ اس نے شیعوں کا چالیس پاروں کا قرآن دیکھا ہے۔

انہوں نے بتایا کہ سورہ قیامت میں ارشاد خداوندی ہے کہ

ان علینا جمعہ و قرآنہ

ترجمہ:اس کا جمع کرنا اور پڑھوانا ہمارے ذمہ ہے۔

اس آیت میں اس بات کی تصریح کی گئی ہے کہ جمع قرآن کے کام کو خداوند عالم نے امت پر نہیں چھوڑا رسول اللہ پر بھی نہیں چھوڑا بلکہ خود اپنے ذمہ لے لیا۔اسی طرح حفاظت قرآن کے حوالے سے قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ

انا نحن نزلنا الذکر و انا لہ لحفظون

ترجمہ: یہ ذکر تو ہم نے نازل کیا ہے اور ہم خود اس کے محافظ ہیں۔(سورہ حجر)

و انہ الکتٰب عزیز لا یاتیہ الباطل مین بین یدیہ و لا من خلفہ تنزیل من حکیم حمید

ترجمہ: حقیقت یہ ہے کہ قرآن ایک زبردست کتاب ہے۔ باطل نہ سامنے سے اس پر آسکتا ہے نہ پیچھے سے، یہ ایک حکیم وحمید کی نازل کردہ کتاب ہے۔

ایسی کتاب جس کے بارے میں اللہ خود اس بات کا دعویدار ہو کہ وہ اس کی حفاظت کرے گا اور اس زبردست کتاب میں باطل نہ آگے سے آسکتا ہے۔ نہ پیچھے سے ایسے میں تحریف کا عقیدہ رکھنا اللہ کے دعوے کو جھٹلانے کے مترادف ہوگا۔

اس کے علاوہ یہ کہ شیعہ فقہا کے نزدیک نماز میں سورہ حمد کے بعد ایک کامل سورہ پڑھنا واجبات میں سے ہے۔ قرآن میں تحریف کا ہونا اگر مان لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ نماز میں کبھی بھی سورہ حمد کے بعد ایک مکمل سورہ پڑھنا ممکن نہ ہوگا کیونکہ جو سورہ بھی پڑھا جائے گا اس میں نقص کا احتمال ہمیشہ باقی رہے گا اور نماز مشکوک ہوجائے گی۔

یہ اندیشہ کے خلفاء نے قرآن میں تحریف کی ہے۔ اس لئے بھی غلط ہے کہ اگر ایسا ہوتا تو جن لوگوں نے حضرت عثمان کا گھیراؤ کیا تو انہوں نے حضرت عثمان پر اقربا پروری اور بیت المال میں خرد برد کے الزامات تو عائد کئے لیکن ان میں سے کسی نے بھی ان پر قرآن پاک میں تحریف اور کمی بیشی کرنے کا الزام نہیں لگایا۔ اگر حضرت عثمان نے آیات قرآنی میں کمی بیشی کی ہوتی تو یقینا تحریف قرآن جیسا سنگین الزام اس گروہ کے الزامات کی فہرست میں سرفہرست ہوتا۔ اور یہ کہ ابتدائے اسلام سے آج تک مسلمانوں میں حفاظ قرآن موجود رہے ہیں جو ہمیشہ آیات وکلمات قرآن پاک پر نگاہ رکھتے ہیں۔ اس کے ساتھ ایسے باکمال لوگ بھی ہمیشہ موجود رہے ہیں جو قرآن مجید کے اعراب اور نقطوں تک سے واقفیت رکھتے ہیں۔ مسلمانوں کی قرآن پاک میں اتنی دلچسپی کی وجہ سے بھی اس میں تحریف کرنا ممکن نظر نہیں آتا۔

جہاں تک تحریف کے سلسلے میں شیعہ کتب میں روایات کا ذکر کیا جاتا ہے تو اس سلسلے میں مجھے خود ہمارے سنی معتبر کتب بخاری ومسلم سمیت دیگر کتب حدیث میں بہت ساری روایات نظر سے گزریں۔ جو کہ تحریف قرآن کی طرف نشاندہی کرتی ہیں۔ لیکن ہمارے علماء ان روایات کو ضعیف قرار دے کر مسترد کردیتے ہیں۔ اسی طرح شیعہ حضرات کی کتب میں

بھی ایسی روایات موجود ہیں کہ جنہیں شیعہ علماء ضعیف قرار دے کر مسترد کرتے ہیں۔

ان دلائل کے بعد میری تشفی ہوئی اور مجھے یہ یقین حاصل ہوگیا کہ شیعہ حضرات قرآن کو ایسے ہی مانتے ہیں جیسے باقی مسلمان مانتے ہیں۔

صحابہ کرام سے متعلق اہل تشیع کا نظریہ

کائنات میں جتنے بھی انقلاب آئے وہ کچھ ہی مدت میں انحراف کا شکار ہوتے ہوئے اپنے اصلی ہدف سے ہٹ گئے اور وقت کے ساتھ ساتھ ان کی انقلابی روح معدوم ہوتی چلی گئی۔ اسی صدی کے اوائل میں برپا ہونے والا روس کا انقلاب 70 سال بعد اپنی قوت قاہرہ اور آدھی دنیا کو اپنا ہمنوا بنالینے کے باجود زوال کا شکار ہوگیا۔ یقینا اس انقلاب کے زوال کے پس منظر میں کچھ وجوہات اور عوامل ہوں گے۔ جن کے تجزیہ اور تحقیق کے بعد سوشلسٹ انقلاب کی ناکامی کے اسباب کا صحیح پتہ چل سکتا ہے اسی طرح نبی کریمؐ کا لایا ہوا آخری الٰہی انقلاب جو کہ انسانیت کے لئے ایک مستقل دستور حیات کی حیثیت رکھتا ہے اور جس کا مقصد ایک آئیڈیل انسانی سماج کی تعمیر تھا۔ جس میں انسان انفرادی واجتماعی حوالے سے اپنے کمال کو پہنچتا۔ یہ الٰہی انقلاب نبی کریمؐ کی وفات کے صرف اور صرف پچاس سال کے اندر نبی کی مسند پر بندر اور سور نچانے والا یزید اور برملا اسلامی شریعت کا مذاق اڑانے والا جو برملا کہتا تھا کہ نہ کوئی وحی آئی اور نہ فرشتہ آیا یہ بنی ہاشم کا ڈھونگ تھا نبی کریمؐ کا وارث بن بیٹھا۔ جس نے نبی اکرمؐ کا سارا گھرانہ کربلا میں ذبح کرڈالا۔ اور ان کے ناموس کو کوچہ و بازار میں پھرایا اس کے بعد مدینۃ النبی پر حملہ کرکے ہزاروں صحابہ کرامؓ اور تابعین کو قتل کردیا۔ اور مسجد نبوی میں گھوڑے باندھے گئے۔ اور تین دن تک مسجد نبوی میں نماز قائم نہ ہونے دی گئی۔ اسی طرح مکہ مکرمہ پر حملہ کیا گیا۔ منجنیق سے پتھر اور آگ برسائی گئی جس سے خانہ کعبہ کے پردے کو آگ لگ گئی۔ یہ بادشاہت 90 برس تک تو بنی امیہ کے پاس رہی جبکہ بعدازاں بنوعباس اور آل عثمان کی صورت میں اسلام کے مقدس نام پر امت مسلمہ پر بادشاہت مسلط رہی۔

اب شیعوں کا قصور صرف اتنا بنتا ہے کہ وہ ان اسباب وعوامل کو تلاش کرنے کی بات کرتے ہیں جن کے باعث نبی اکرمؐ کا انقلاب اپنے اصل ہدف اور مقصد سے ہٹ کر ملوکیت کے ہاتھوں میں چلا گیا اور دنیا کو اپنے فیض سے سیراب نہ کرسکا۔اور جب شیعہ اس زمانے کے سیاسی حالات کا تجزیہ کرتے ہوئے مختلف شخصیات کا تنقیدی جائزہ لیتے ہیں تو ہمارے سنی بھائی انہیں ایسا کرنے سے روکتے ہیں کہ اس کی زد میں ہماری مقدس شخصیات آجائیں گی۔لیکن جب آپ حقائق کی تلاش پر زور دیں تو وہ فرار کا راستہ اختیار کرتے ہوئے اسے اجتہادی مسئلہ قرار دیتے ہیں اور اسلام کی ابتدائی تاریخ پڑھنے سے روکنے کی کوشش کی جاتی ہے۔جنگ جمل اور جنگ صفین کے معرکوں پر پردہ ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں کہ قتل ومقاتلہ کرنے والے دونوں گروہ حق پر تھے۔اور قاتل ومقتول دونوں جنتی ہیں اور کہتے ہیں اگر ہم زیادہ گہرائی میں جائیں گے تو اس کی زد میں ہماری مقدس شخصیات آجائیں گی جس کی وجہ سے ہمارے ایمان میں نقص پیدا ہونے کا احتمال پیدا ہوجائے گا۔
یہی وجہ ہے کہ شیعوں کے سوالات آج تک قائم ہیں جو اس زمانے کی مفاد پرست سیاسی شخصیات کو زیر بحث لاتے ہیں اور ایسے عناصر افراد پر تنقید کرتے ہیں کہ جو اپنے حب اقتدار کی وجہ سے اسلامی خلافت کے منصب پر قابض ہوگئے۔اور جنہوں نے اسلام کو نقصان پہنچایا۔ان سے دوری اور نفرت کو شریعت میں تبریٰ کہتے ہیں۔یہ ان سے دوری اختیار کرتے ہیں اور ان شخصیات کی تعریف وتوصیف کرتے ہیں کہ جنہوں نے اپنے اخلاص اور قربانیوں سے اسلامی روح کو زندہ کرنے کی کوشش کی۔اسے یہ اسلامی شریعت میں تولا کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

شیعہ حضرات سب کے سب صحابہ کرام کو عادل نہیں مانتے اور نہ ہی معصوم مانتے ہیں ان کا کہنا ہے کہ صحابہ کرام میں مختلف درجات کے لوگ تھے اور مختلف ایمان کی کیفیات کے حامل تھے۔صحابی کے لئے صرف یہ کافی نہیں کہ انہوں نے رسول اکرمؐ کو دیکھا اور دیکھتے ہی اب وہ تمام فضائل وکمالات کے حامل ہوگئے ہیں بلکہ جس نے رسول اکرمؐ کی صحبت سے

فیض اٹھایا اور اپنی کامل تربیت کی تزکیہ نفس اور تعمیر سیرت کی اور وصال رسولؐ کے بعد ان کی تعلیمات پر باقی رہے ان کا درجہ اور ہے۔اور جنہوں نے نبی اکرمؐ کی شریعت کو پامال کیا جہالت کے طور طریقوں کو زندہ کیا۔اسلام کے نظام کو نقصان پہنچایا اور قیصر وکسریٰ کے طریقہ پر بادشاہت قائم کی ان کا یہ اقدام کسی بھی صورت میں قابل قبول نہیں ہوسکتا اور نہ وہ افراد ملت اسلامیہ کی نظروں میں قابل احترام ٹھہرائے جاسکتے ہیں۔

اسی طرح فتح مکہ کے وقت مجبوری کے عالم میں مسلمان ہونے والے جنہیں تاریخ میں طلعقاء یعنی آزاد کردہ غلام کہا جاتا ہے کہ جو بعد میں اسلامی سلطنت کے وارث بنے۔جنہوں نے بزرگ صحابہ کرامؓ کی توہین کی اور اسلامی قوانین کی دھجیاں بکھیر دیں اور شخصی آمریت مسلط کی اور اپنی استبدادی حکومت قائم رکھنے کے لئے اسلام کی مقدس تعلیمات کو استعمال کیا۔اپنے اور اپنی حکومت کے بارے میں من مانی احادیث کے انبار لگوائے۔اور من پسند دینی تشریحات کروائیں۔وہ کسی طور مقدس کہے جانے کے مستحق نہیں۔

دوسرے یہ کہ عدالت صحابہ کے حوالے سے جو حدیث بیان کی جاتی ہے کہ سب کے سب صحابہ عادل ہیں جس کی چاہے پیروی کی جائے یہ حدیث روایت ودرایت کے معیار کے علاوہ اگر عقلی ومنطقی اعتبار سے بھی دیکھا جائے تو کمزور اور قانون فطرت کے بھی منافی ہیں۔نبی اکرمؐ نے جس قوم کو بدترین جہالت اور تاریکیوں سے نکالا ہے۔جسے خود ابھی تربیت،تزکیہ اور حصول علم کے مراحل سے گزرنا ہے۔جو ابھی نئی نئی دائرہ اسلام میں داخل ہوئی ہے۔جس میں مختلف حیثیتوں کے لوگ ہیں جن میں بقول قرآن منافقین کی بھی بڑی تعداد شامل ہے۔

وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا ۭ
عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿١٠٢﴾ (سورہ التوبہ 102)

''آپ کے چاروں طرف جو اعراب ہیں وہ منافق ہیں۔مدینہ والوں میں سے بھی بعض نفاق پر جمے ہوئے ہیں۔آپ بظاہر ان کو نہیں جانتے ہم جانتے ہیں۔''

اسی طرح سورہ منافقون، سورہ توبہ، جنگ احد اور جنگ حنین کے واقعات کو پڑھیں تو

صورت حال زیادہ واضح ہوجاتی ہے۔ یہ کتنا عجیب تضاد ہے کہ قرآن مجید میں تقریباً تین پاروں پر مبنی مواد منافقین کے حوالے سے نازل ہوا ہے جس میں ان کی سخت مذمت کی گئی ہے یہ لوگ ایمان کے لبادے میں دین کو نقصان پہنچا رہے تھے اور یہ سب مسلمان ہو چکے تھے اور صحابہ کی شکل میں معاشرے میں موجود تھے اور نفاق کے لبادے میں اپنے ایمان کو چھپایا ہوا تھا۔ ہم نبی اکرم ﷺ کی حیات میں تو منافقین کا کردار تسلیم کرتے ہیں لیکن آپؐ کی رحلت کے بعد ہم منافقین کو کلین چٹ دے دیتے ہیں انہیں معصوم عن الخطا قرار دیتے ہیں کہ یہ سب عادل ہو گئے لائق اتباع اور پیروی ہو گئے کہ جس کی بھی پیروی کریں گے جنت میں جائیں گے۔ جبکہ ہمیں قرآن مجید کی آیات سے اندازہ ہوتا ہے کہ بہت سی صورتوں میں صحابہ کرام کی مختلف موقعوں پر سخت مذمت کی گئی ہے کہیں صحابہ کے جہاد سے انکار کی بناء پر مذمت کی گئی ہے۔ کبھی صحابہ کے بخل (انفاق سے انکار) کی مذمت کی گئی ہے۔ کہیں قرآن میں ایک فاسق صحابی ولید بن عقبہ کے فسق کی مذمت کی گئی ہے اور کبھی دوران نماز سورہ جمعہ کھیل تماشہ دیکھنے کے لئے چلے جانے کی مذمت کی جاتی ہے۔

اسی طرح تاریخ اسلام کا جب ہم مطالعہ کرتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ میں آپس میں شدید اختلافات بھی تھے انہوں نے آپس میں لڑائیاں لڑی ہیں۔ ایک دوسرے کو قتل کیا ہے۔ شراب پینے کے الزام میں کئی صحابہ کرام پر حدود جاری ہوئیں۔ کیا یہ تمام اعمال انجام دینے کے باوجود یہ سب معصوم ہیں اور سب کے سب مجتہد ہیں اور جس کی بھی پیروی کی جائے جنت میں جایا جاسکتا ہے۔

شیعہ علماء نے مجھے بتایا کہ صحابہ کرامؓ سے متعلق ہمارا عقیدہ اصولوں پر مشتمل ہے۔ جیسا کہ قرآن حکیم میں ارشاد ہے۔

''جو رسولؐ دے اسے لے لو اور جس سے منع کرے اس سے باز آجاؤ۔''

صحابہ کرام کو جانچنے کا پیمانہ بھی اتباع قرآن وسنت ہے۔ اعمال کے بغیر صرف رسولؐ کو دیکھنے کی بناء پر صحابہ کو لائق پیروی قرار نہیں دیا جاسکتا، شیعہ حضرات صحابہ کرام کی

زندگیاں اور ان کے اعمال و کردار اسی آیت کے تناظر میں پرکھتے ہیں کہ جن لوگوں نے نبی کریمؐ کی سنت کی سختی سے پیروی کی اسے بے چون چراں قبول کیا وہ صحابہ انتہائی لائق احترام برگزیدہ اور جلیل القدر ہیں۔ لیکن جن اصحاب نے سنت نبی کو تاراج کیا۔ اپنی نفسانی خواہشات کے لئے لڑائیاں لڑیں، بے گناہوں کو قتل کیا، اسلام کو نقصان پہنچایا وہ قابل مذمت ہیں۔ غالباً ایسے ہی لوگوں کے متعلق نبی کریمؐ نے صحیح بخاری میں فرمایا تھا۔

''اس روز میرے چند اصحاب کو بائیں جانب سے لے جایا جارہا ہوگا تو میں کہوں گا یہ تو میرے اصحاب ہیں تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا آپ کے بعد یہ لوگ اپنے پچھلے دین (کفر) کی طرف لوٹ گئے تھے۔''(۱)

یا اسی باب میں دوسری حدیث بھی ہے کہ:

''میری امت کے چند لوگ پکڑ کر لائے جائیں گے میں کہوں گا پروردگار یہ تو میرے اصحاب ہیں رب فرمائے گا انہوں نے تمہاری وفات کے بعد طرح طرح کی نئی بدعتیں نکالی تھیں۔''(۲)

اسی طرح ایک اور حدیث میں وارد ہوا ہے کہ:

''میرے سامنے میری امت کے کچھ لوگ حوض پر اتریں گے یہاں تک کہ میں ان کو پہچان لوں گا۔ وہ میرے سامنے سے کھینچ کر لے جائے جائیں گے تو میں کہوں گا کہ یہ میرے اصحاب ہیں تو اللہ فرمائے گا تم نہیں جانتے تمہارے بعد انہوں نے کیا کیا آپ نے فرمایا میرے بعض اصحاب ایسے ہیں جن کو مرنے کے بعد میں پھر نہیں دیکھوں گا۔ اور نہ وہ مجھے دیکھیں گے میں کہوں گا میرے اصحاب میرے اصحاب۔''(۳)

اس مطالعہ اور تحقیق کے بعد مجھے یہ یقین حاصل ہوگیا کہ شیعہ حضرات جو خود کو اہلبیتؑ رسولؐ کا پیرو کہتے ہیں نہ تو قرآن پاک میں تحریف کے قائل ہیں اور نہ ہی صحابہ کرام کے خلاف ہیں بلکہ یہ صحابیت کو قرآن کے معیار کے مطابق دیکھتے اور پرکھتے ہیں۔

۱۔ صحیح بخاری 2/264 باب تفسیر انبیاء　　(۲) صحیح مسلم 3/433 باب فضائل اثبات

(۳) مسند احمد بن حنبل 299, 307, 6/312 جامع کنز العمال 11/252 کتاب الفتن استیعاب 2/397

حوالہ جات

1۔مری،شیر محمد،بلوچی،کہنیں شاحری،بلوچی اکیڈمی کوئٹہ،1976ء

2۔بلوچ،عبدالخالق،بلوچی رزمیہ شاعری،تحقیق اور تنقید کی روشنی میں،(غیر مطبوعہ مقالہ برائے پی ایچ ڈی) 1994ء،صفحہ نمبر 108-107

3۔ایضاً صفحہ نمبر 120

4۔ شاہوانی، میر رحیم داد شاہوانی، تاریخ قلات، بلوچی اکیڈمی، کوئٹہ، 1983ء، صفحہ نمبر (261-260-237-235-236-227

Sylvia Matheson, The University Press, Karachi. 1997_5
Tigers of Baluchistan, Oxford

6۔نصیر،میر گل خان،بلوچستان کی کہانی،شاعروں کی زبانی،بلوچی اکیڈمی کوئٹہ،1976ء،صفحہ 10-1

Khan-e-Azam, Mir Ahmed YHar Khan,Baluch,Inside _7
Balucistan, Royal Book Co. Karachi. 1975

8۔صابر،غوث بخش،زحم زیمر،بلوچی اکیڈمی کوئٹہ،1974ء،صفحہ نمبر 128

9۔بشیر احمد بلوچ،شب چراگ،بلوچی اکیڈمی کوئٹہ،1968ء،صفحہ نمبر 161

Baluch, Muhammd Sardar Kha, <A Literary History of The _10
Baluchis> Baluchi Academy, Quetta. 1977. p: 460

Nadvi, Suleyman,Islamic Culture, Vol:8, No.4,Hyderabad _11
Dakan,India, 1934, P: 611

12۔خان قلات،میر احمد یار خان،مختصر تاریخ قوم بلوچ وخوانین بلوچ،ایوان قلات،سریاب روڈ کوئٹہ، 1972ء،صفحہ نمبر 31-32)

Marree,Surat Khan Baluch, Shia't Traits (Unpublished, 1995)_13

14۔آلیور،ایڈورڈ۔ای آلیور،پٹھان اور بلوچ،نساء ٹریڈرز کوئٹہ،

15۔حسن، بریگیڈیر (ریٹائرڈ) ایس عثمان حسن، بلوچستان رپوتاژ، گوشہ ادب کوئٹہ، 1984ء، صفحہ نمبر 52-49

16۔جسٹس مری،بلوچستان تاریخ کے آئینے میں،نساء ٹریڈرز کوئٹہ،1989ء

19۔حسن،بریگیڈیر (ریٹائرڈ) ایس عثمان حسن،بلوچستان رپوتاژ،گوشہ ادب کوئٹہ،1984ء،صفحہ نمبر 247-246

20۔لالہ،رائے بہادر لالہ ہتورام،تاریخ بلوچستان،بلوچی اکیڈمی کوئٹہ،1987ء،صفحہ نمبر 10-9

21۔ایضاً صفحہ نمبر 252

22۔مری،جسٹس خدا بخش،بلوچستان کے آئینے میں،نساء ٹریڈرز کوئٹہ،1989ء،صفھہ نمبر 98-93

23۔نصیر،میر گل خان،تاریخ بلوچستان،قلات پبلشرز کوئٹہ،1979ء،صفحہ نمبر 4-3

24۔دہوار،ملک محمد سعید،بلوچستان تاریخ کی روشنی میں،نساء ٹریڈرز کوئٹہ،1985ء،265-263

25۔بلوچ،محمد سردار خان،بلوچوں کی ادبی تاریخ،بلوچی اکیڈمی کوئٹہ،1977ء،جلد اول صفحہ 121

26۔گیلانی،سید اولاد علی،مرقع،مولتان،جاذب پبلشرز لاہور،1995ء،صفحہ نمبر 116-115

27۔مہر، ڈاکٹر مہر عبدالحق، ملتان کے بادشاہ، نامور گورنر اور حملہ آور، بیکن بکس، گلگشت ملتان، 1994ء، صفحہ نمبر 119-116

28۔مری،جسٹس خدا بخش،بلوچستان تاریخ کے آئینے میں،نساء ٹریڈرز کوئٹہ،1989ء،صفحہ 104

29۔ایضاً صفحہ نمبر 55-54

30۔ایضاً صفحہ نمبر 153

31۔ڈیمز،ایم لونگ ورتھ،بلوچ قبائل،نساء ٹریڈرز کوئٹہ،1983ء،صفحہ نمبر 51

32۔ایضاً صفحہ نمبر 40-38

33۔گنجابوی،علامہ قاضی نور محمد،جنگ نامہ تحفت النصیر،پاکستان اسٹڈیز،جامعہ بلوچستان کوئٹہ،1990ء صفحہ نمبر 40-38

34،ندوی،شاہ معین الدین،سیر الصحابہ،1987ء،صفحہ نمبر 196-195

35۔ احمد زئی، میر نصیر خان، تاریخ بلوچ وبلوچستان، بلوچی اکیڈمی کوئٹہ، (جلد سوم) 1992ء، صفحہ نمبر 55-54

36۔ایضاً صفحہ نمبر 76-73

37۔ایضاً صفحہ نمبر 76

38۔ایضاً صفحہ نمبر 77

39۔مولائی شیدائی،سرزمین بلوچ،اکیڈمی کوئٹہ،1996ء،صفحہ نمبر 177-158

40۔ظفر،ایس۔ایم ظفر،عوام،پارلیمنٹ،اسلام،آئینہ ادب،لاہور،1980ء،صفحہ نمبر 80

41۔شبلی،علامہ شبلی نعمانی،الفاروق،مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی،1989ء،صفحہ نمبر 112

42۔ظفر،ایس ایم ظفر،عوام،پارلیمنٹ اسلام،آئینہ ادب لاہور،1980ء،صفحہ نمبر 256-257

43۔سید محمد اسمٰعیل،رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم اور عصر جدید،مکتبہ طلوع سحر،کراچی،1969ء،صفحہ نمبر 306-307

44۔صحفی، سید محمد صحفی، حکایات القرآن، جامعہ تعلیمات اسلامی پاکستان، کراچی، 1993ء، صفحہ نمبر 422-427

45۔ایضاً 457-462

46۔کتابچہ تحریک پیروان امام مہدی کیچ مکران

47۔رضوی،علی حسین،تاریخ شیعیان علی،مطبوعہ امامیہ اکیڈمی کراچی،1992ء صفحہ 400

48۔ j. Forbest Watson & John William Kaye, The Pople of India, B.R.Pubishing Corp. Dehli, 1868 vol:6 p:1-8

49۔ E.H,Aitiken, <Gazetteer of The Province Of Sindh> Indus Publication, Karachi, 1907 p:113

50۔ایضاً صفحہ نمبر 160

51۔گزیٹیر آف بلوچستان (لسبیلہ)،گورنمنٹ آف بلوچستان،1986ء،صفحہ نمبر 402

52۔گزیٹیر آف بلوچستان (خاران)،گورنمنٹ آف بلوچستان،1986ء،صفحہ نمبر 292

53۔گزیٹیر آف بلوچستان (مکران)،گورنمنٹ آف بلوچستان،1986ء،صفحہ نمبر 13

54۔عطا شاد،بلوچی نامہ،مرکزی اردو بورڈ لاہور،1986ء،صفحہ نمبر 34

55۔ڈینس برے،براہوی رسوم،نساء ٹریڈرز کوئٹہ،1984ء،صفحہ نمبر 13-14

56۔براہوی،ڈاکٹر عبدالرحمن،براہوی نامہ،مرکزی اردو بورڈ لاہور،1982ء،صفحہ نمبر 119

57۔کوثر،ڈاکٹر انعام الحق،کلیات محمد حسن براہوی،مجلس ترقی ادب لاہور،1976ء،صفحہ نمبر 9

58۔کوثر،ڈاکٹر انعام الحق،بلوچستان میں اردو،مرکزی اردو بورڈ لاہور،1968ء،صفحہ نمبر 332

59۔لالہ،رائے بہادر لا،ہتورام،تاریخ بلوچستان،بلوچی اکیڈمی کوئٹہ،1987ء،صفحہ 35

60۔ایضاً صفحہ نمبر 64

61۔نصیر،میر گل خان،بلوچی رزمیہ شاعری،بلوچی اکیڈمی کوئٹہ،1979ء،صفحہ نمبر 256

62۔نصیر،میر گل خان،بلوچی عشقیہ شاعری،بلوچی اکیڈمی کوئٹہ،1979ء

63۔مری،مٹھا خان،سمو بیلی مست،بلوچی اکیڈمی کوئٹہ،1991ء،صفحہ نمبر 113

64۔طباطبائی،علامہ محمد حسین طباطبائی،پاسداران اسلام،جامعہ تعلیمات اسلامی پاکستان،صفحہ نمبر 248

65۔مری،مٹھا خان مری،سمو بیلی مست،بلوچی اکیڈمی کوئٹہ،1991ء،صفحہ نمبر 135-137

66۔زیب،نواب گل محمد خان مگسی،زیب نامہ،انجمن فارسی بلوچستان،1995ء

67۔زیب،نواب گل محمد خان مگسی،خزینۃ الاشعار،یعنی مخمسات زیب،انجمن فارسی بلوچستان،1996ء

68۔زیب،نواب گل محمد خان مگسی،دیوان اردو (قلمی نسخہ)

69۔بلوچستان ڈسٹرکٹ گزیٹیر سبی،کوئٹہ پشین،گوشہ ادب کوئٹہ،1907ء

70۔ڈاکٹر کہور خان، <Religionus Background of Baloch People> (غیر مطبوعہ مضمون) 1995ء

71۔کوثر،ڈاکٹر انعام الحق،تذکرہ صوفیائے بلوچستان،اردو سائنس بورڈ لاہور،طبع دوئم 1995ء،صفحہ نمبر 230

72۔خان آف قلات،میر احمد یار خان،بلوچ قوم کے نام خان بلوچ کا پیغام،1972ء،صفحہ نمبر 12

73۔شاہوانی،میر رحیم داد،تاریخ قلات،1983ء،صفحہ نمبر 260

74۔ایضاً 261

کتابیات

(۱) آلیور، ایڈورڈ۔ای آلیور، پٹھان اور بلوچ، نساءٹریڈرز کوئٹہ۔

(۲) ابن خلدون، علامہ عبدالرحمن ''مقدمہ ابن خلدون'' نفیس اکیڈمی کراچی، ۱۹۸۶

(۳) اجتہادی، محمد محسن ''تحقیق حدیث غدیر'' نورالعلم پبلی کیشنز، کراچی

(۴) احمد زئی، میر نصیر خان، تاریخ بلوچ و بلوچستان، بلوچی اکیڈمی کوئٹہ (جلد سوم) ۱۹۹۱

(۵) استرآبادی، میرزا مہدی خان، ''جہانگشای نادری''، چاپ بہمن، تہران ۱۳۴۱

(۶) اثیر، عبدالقادر شاہوانی، بلوچی ثقافت گیتوں میں، بلوچی اکیڈمی، ۱۹۹۴

(۷) افغانی، سید جمال الدین افغانی، تاریخ الافغان، نفیس اکیڈمی، کراچی ۱۹۹۲

(۸) اکبر نامہ، ــــــــــــ

(۹) براہوی، ڈاکٹر عبدالرحمن، براہوی نامہ، مرکزی اردو بورڈ لاہور ۱۹۸۲

(۱۰) بشیر احمد بلوچ، شپ چراگ، بلوچی اکیڈمی کوئٹہ، ۱۹۶۸

(۱۱) بلاذری، احمد بن یحییٰ بن جابر راالشہیر، فسبح البلدان، نفیس اکیڈمی، کراچی ۱۹۸۲

(۱۲) بلوچ، عبدالخلاق، بلوچی رزمیہ شاعری، تحقیق اور تنقید کی روشنی میں (غیر مطبوعہ مقالہ برائے پی ایچ ڈی) ۱۹۹۴

(۱۳) بلوچ، محمد سردار خان، بلوچوں کی ادبی تاریخ، بلوچی اکیڈمی کوئٹہ ۱۹۷۷ جلد اول۔

(۱۴) بلوچ، محمد سردار خان، بلوچ قوم کی تاریخ نساءٹریڈرز، کوئٹہ ۱۹۸۹۔

(۱۵) پنی، ڈاکٹر شیر بہادر خان، تاریخ ہزارہ، دارلشفاء، ایبت آباد، پاکستان، ۱۹۸۰ء

(۱۶) جسٹس مری، بلوچستان تاریخ کے آئینے میں، نساءٹریڈرز کوئٹہ، ۱۹۸۹ء

(۱۷) حبیبی، عبدالحئ حبیبی، ''کیا لفظ ہزارہ قدیم ہے'' آریانا کابل، ۱۹۵۱ء

(۱۸) محسن، بریگیڈیر (ریٹائرڈ) ایس عثمان حسن، بلوچستان رپوتاژ، گوشہ ادب کوئٹہ، ۱۹۸۴ء

(۱۹) حجۃ السلام مولانا الحاج سید مرتضیٰ حسین، مطلع انوار، خراسان اسلامک ریسرچ سنٹر، کراچی

(۲۰) حسلا ند، ابوالخیر، دکسی لمر، پشتو ادبی کاروان، سرہ غڑگنی، کوئٹہ، ۱۹۹۵ء

(۲۱) خان قلات، میر احمد یار خان، مختصر تاریخ قوم بلوچ و خوانین بلوچ، ایوان قلات، سریاب روڈ کوئٹہ، ۱۹۷۲ء

(۲۲) خان آف قلات، میر احمد یار خان، مختصر تاریخ قوم بلوچ و خوانین بلوچ، ۱۹۷۲ء

(۲۳) خان آف قلات، میر احمد یار خان، بلوچ قوم کے نام خان بلوچ کا پیغام، ۱۹۷۲ء

(۲۴) خان، عمر کمال ایڈوکیٹ، ملتان لنگاہ دور میں، بزم ثقافت ملتان، ۱۹۹۵ء

(۲۵) دائرہ المعارف اسلامی، پنجاب یونیورسٹی کپریس لاہور، ۱۹۶۴ء

(۲۶) دہوار، ملک محمد سعید، بلوچستان تاریخ کی روشنی میں، نساءٹریڈرز کوئٹہ، ۱۹۸۵ء

(۲۷) ڈیمز، ایم لونگ ورتھ، بلوچ قبائل، نساءٹریڈرز کوئٹہ، ۱۹۸۳ء

(۲۸) ڈینس برے، براہوی رسوم، نساءٹریڈرز کوئٹہ، ۱۹۸۴ء

(۲۹) ذکیہ، سردار خان، سرمست بلوچستان، بلوچی اکیڈمی، کوئٹہ، ۱۹۶۵ء

(۳۰) رشتیا، سید قاسم، ''افغانستان در قرن نزدہ'' انجمن تاریخ افغانستان، کابل، ۱۳۳۶ء

(۳۱) رضوی، علی حسین، تاریخ شیعیان علی، مطبوعہ امامیہ اکیڈمی کراچی، ۱۹۹۲ء

(۳۲) رومان، پروفیسر ایم انور، بلوچستان کے قبائل، نساءٹریڈرز، کوئٹہ ۱۹۸۹ء

(۳۳) زیب، نواب گل محمد خان مگسی، زیب نامہ، انجمن فارسی بلوچستان، ۱۹۹۵ء

(۳۴) زیب، نواب گل محمد خان مگسی، خزیۃ الاشعار، یعنی محسات زیب، انجمن فارسی بلوچستان، ۱۹۹۶ء

(۳۵) زیب، نواب گل محمد یار خان مگسی، دیوان اردو (قلمی نسخہ)

(۳۶) سمنائی، محمد احمد پناہی، ''شاہ اسماعیل صفوی، کتاب نمونہ، تہران، ۱۳۷۴ء

(۳۷) سمیعی، کیوان، زندگانی سردار کابلی، کتاب فروشی زوار، گیلان۔ ۱۳۶۳ء شمسی قمری

(۳۸) سید محمد اسمٰعیل، رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم اور عصر جدید، مکتبہ طلوع سحر، کراچی، ۱۹۶۹ء

(۳۹) افشار، ایرج افشار، ''تاریخ افغانستان'' موسسہ انتشاراتی و آموزشی نسل دانش، تہران، ۱۳۶۹ء

(۴۰) شاہوانی، میر رحیم داد شاہوانی، تاریخ قلات، بلوچی اکیڈمی، کوئٹہ، ۱۹۸۳ء

(۴۱) شاہین، پروفیسر محمد اشرف، تاریخ بلوچستان ایک تحقیقی جائزہ، ادارہ تدریس لاہور، ۱۹۹۳ء

(۴۲) شبلی، مولانا شبلی نعمانی، ''سیرت النبی'' نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد، ۱۹۸۸ء

(۴۳) شبلی، علامہ شبلی نعمانی، الفاروق، مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی، ۱۹۸۹ء

(۴۴) شرافت عباس، ادبیات، اکادمی ادبیات، اسلام آباد، بہار ۱۹۹۲ء

(۴۵) شہرستانی، آقائی ''تاریخچہ عزاداری حسینی'' ولی العصر ٹرسٹ، لاہور، صفحہ ۲۸۔۳۹

(۴۶) شیخ، محمد اکرم، رودکوثر، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ۱۹۹۵ء

(۴۷) صابر، غوث بخش، زحم زیمر، بلوچی اکیڈمی کوئٹہ، ۱۹۷۴ء

(۴۸) صابر، غوث بخش، ''مست توکلی'' لوک ورثہ اشاعت گھر، اسلام آباد، ۱۹۷۶ء

(۴۹) صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابہ، قرآن محل کراچی

(۵۰) صحفی، سید محمد صحفی، حکایات القرآن، جامعہ تعلیمات اسلامی پاکستان، کراچی، ۱۹۹۳ء

(۵۱) صفوی، رحیم زادہ، ''زندگانی شاہ اسمٰعیل'' تہران، ۱۳۴۱ شمسی قمری

(۵۲) طبری، علامہ ابن جریر الطبری، تاریخ طبری نفیس اکیڈمی کراچی، ۱۹۸۷ء

(۵۳) ظفر، ایس۔ ایم ظفر، عوام، پارلیمنٹ، اسلام، آئینہ ادب، لاہور، ۱۹۸۰ء

(۵۴) عطا شاد، بلوچی نامہ، مرکزی اردو بورڈ لاہور، ۱۹۶۸ء

(۵۵) غبار، غلام محمد غبار، افغانستان در مسیر تاریخ، مرکز نشر انقلاب با ہمکاری جمہوری، ایران، چاپ چھارم، بہار، ۱۳۶۸

(۵۶) فرشتہ، محمد قاسم فرشتہ، تاریخ فرشتہ، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور

(۵۷) فرہنگ، میر محمد صدیق، افغانستان در پنج قرن اخیر، مؤسسہ مطبوعاتی اسماعیلیان، قم (ایران)، ۱۳۷۱ شمسی قمری

(۵۸) فکری، علامہ عتیق، نقش ملتان، علامہ عتیق فکری اکیڈمی ملتان، ۱۹۸۷ء

(۵۹) فوفلزئی، عزیز الدین، تیمور شاہ درانی، تاریخ تولنہ (انجمن تاریخ) کابل، افغانستان، طبع دوم ۱۳۴۶

(۶۰) فیریئر، جے۔ فیریئر، افغانستان، فارس، ترکستان اور بلوچستان کا سفر، لندن، ۱۸۵۶ء

(۶۱) قادری، کامل القادری، مہمات بلوچستان، نساء ٹریڈرز، کوئٹہ، ۱۹۸۸ء

(۶۲) قدوسی، اعجاز الحق قدوسی، تاریخ سندھ، جلد دوئم، اردو سائنس بورڈ، لاہور، ۱۹۹۰ء

(۶۳) قدوسی، محمد حسین نادر نامہ، انجمن آثار ملی خراسان، ایران، ۱۳۳۹ ہجری شمسی

(۶۴) قریشی، ڈاکٹر بشارت علی ''مقدمہ ابن خلدون'' نفس اکیڈمی کراچی، ۱۹۸۶ء

(۶۵) کاتب ہزارہ، ملا فیض محمد، سراج التواریخ، ۱۳۷۰ شمسی قمری، قم ایران

(۶۶) کتابچہ تحریک پیروان امام مہدی کیچ مکران

(۶۷) کاکڑ، حسن کاکڑ، افغانستان، کابل، ۱۹۷۱ء

(۶۸) کوثر، ڈاکٹر انعام الحق، کلیات محمد حسن براہوی مجلس ترقی ادب لاہور، ۱۹۷۶ء

(۶۹) کوثر، ڈاکٹر انعام الحق، بلوچستان میں اردو، مرکزی اردو بورڈ لاہور، ۱۹۶۸ء

(۷۰) کوثر، ڈاکٹر انعام الحق، تذکرہ صوفیائے بلوچستان، اردو سائنس بورڈ لاہور، ۱۹۹۵ء

(۷۱) کوثر، ڈاکٹر انعام الحق، بلوچستان میں فارسی شاعری، بلوچی اکیڈمی کوئٹہ، ۱۹۶۸ء

(۷۲) گنجابوی، علامہ قاضی نور محمد، جنگ نامہ تحفۃ النصیر پاکستان اسٹڈیز سنٹر، جامعہ بلوچستان کوئٹہ، ۱۹۹۰ء

(۷۳) گنڈا سنگھ، احمد شاہ ابدالی تخلیقات لاہور، ۱۹۹۳ء

(۷۴) گزیٹیر آف بلوچستان (لسبیلہ)، گورنمنٹ آف بلوچستان، ۱۹۸۶ء

(۷۵) گزیٹیر آف بلوچستان (خاران)، گورنمنٹ آف بلوچستان، ۱۹۸۶ء

(۷۶) گزیٹیر آف بلوچستان (مکران)، گورنمنٹ آف بلوچستان، ۱۹۸۶

(۷۷) گیلانی، سید اولاد علی، مرقع ملتان، جاذب پبلشرز لاہور، ۱۹۹۵ء

(۷۸) لالہ، رائے بہادر لالہ ہتورام، تاریخ بلوچستان، بلوچی اکیڈمی کوئٹہ، ۱۹۸۷ء

(۷۹) ماہنامہ الہادی، کوئٹہ (جون ۱۹۹۴ء، ۱۷)

(۸۰) مری، شیر محمد، بلوچی کہنین شاحری، بلوچی اکیڈمی کوئٹہ، ۱۹۷۶ء

(۸۱) مری، جسٹس خدا بخش، بلوچستان تاریخ کے آئینے میں، نساء ٹریڈرز کوئٹہ، ۱۹۸۹ء

(۸۲) مری، مٹھا خان، سمو بیلی مست، بلوچی اکیڈمی کوئٹہ، ۱۹۹۱ء

(۸۳) مولوی، وحید الزمان ''تفسیر وحیدی'' گیلانی پریس لاہور

(۸۴) مولائی شیدائی، سرزمین بلوچ، بلوچی اکیڈمی کوئٹہ، ۱۹۹۶ء

(۸۵) مہر، ڈاکٹر عبدالحق، ملتان کے بادشاہ، نامور گورنر اور حملہ آور، بیکن بکس، گلگشت ملتان، ۱۹۹۴ء

(۸۶) میکمن، لفٹیننٹ جنرل سر، افغانستان دارا سے امان اللہ تک، یونائیٹڈ پرنٹرز، کوئٹہ ۱۹۸۷ء

(۸۷) ندوی، شاہ معین الدین، سیر الصحابہ، ۱۹۸۷ء

(۸۸) نصیر، میر گل خان، بلوچستان کی کہانی، شاعروں کی زبانی، بلوچی اکیڈمی کوئٹہ، ۱۹۷۶ء

(۸۹) نصیر، میر گل خان، بلوچی رزمیہ شاعری، بلوچی اکیڈمی کوئٹہ، ۱۹۷۹ء

(۹۰) نصیر، میر گل خان، بلوچی عشقیہ شاعری، بلوچی اکیڈمی کوئٹہ، ۱۹۷۹ء

(۹۱) نصیر، میر گل خان، تاریخ بلوچستان، قلات پبلشرز کوئٹہ، ۱۹۷۹ء

(۹۲) نصیر، میر گل خان، تاریخ خوانین قلات، نساء ٹریڈرز، کوئٹہ ۱۹۸۴ء

(۹۳) وکیلی پوپلزئی، عزیز الدین، درہ الزمان، کابل، ۱۳۳۷

(۹۴) ہاشمی، سید ظہور شاہ، بلوچی زبان و ادب کی تاریخ، سید ہاشمی اکیڈمی کراچی، ۱۹۸۶ء